بندگی رب کے تقاضے

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ

تحقیق و تخریج

عبدالستار خان

خوشہ چینی

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء وخاتم النبیین، سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد.

یہ سطور لکھتے وقت مجھے چند مہربان ساتھیوں کی بڑی یاد آرہی ہے اوران کیلئے دل سے دعا نکل رہی ہے۔ میں اپنی بات کا آغاز ان کے ذکر سے اس لئے کررہا ہوں کہ انہی لوگوں نے مجھے راہ حق کے رہواروں کی دھول اٹھانے کے قابل بنا کر مجھ پر عظیم احسان کیا۔

ان میں سے اول الذکر دو وہ ساتھی ہیں جنھوں نے اس بے آب وگیاہ دل میں حق شناسائی کا بیج بویا۔ ان محسنوں میں ایک برادرم علیم خان فلکی اور دوسرے برادرم نعیم جاوید ہیں، ان محسنوں کا تعلق حیدرآباد دکن سے ہے۔ ان مہربان دوستوں نے مجھے مشاعروں کی محفلوں سے اٹھا کر قرآن مجید کی کلاسوں سے متعارف کرایا۔

میرے محسنوں میں برادرم عبدالرؤف، عبدالباری، محمد طلحہ اور دیگر ساتھی ہیں جنھوں نے قرآن کلاسوں میں شرکت کے دوران میرے اندر قرآن فہمی کا شوق پیدا کیا اور اس حوالے سے میری رہنمائی کی۔ ان ساتھیوں کا بھی تعلق ہندوستان سے ہے۔ برادرم علیم خان فلکی اور برادرم نعیم جاوید کا لگایا ہوا بیج ان مہربان ساتھیوں کی محنت سے ننھا پودا بن کر ابھرا۔

اس ننھے پودے کی آبیاری جس مہربان ساتھی نے اپنے ذمے لی ان کا نام میاں ذوالفقار احمد ہے۔ میری مراد ''شرفیہ والے'' ذوالفقار بھائی سے ہے۔ خاموش طبیعت ذوالفقار بھائی نے اس ننھے پودے کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیا، اس کی ہر طرح سے

آبیاری کی اور اسے اس قابل بنایا کہ چار آدمیوں کے درمیان بات کر سکے۔

میرے محسنوں میں ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ، ڈاکٹر طلعت سلطان، ڈاکٹر حسن الدین احمد، ڈاکٹر شجاعت علی برنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اور وہ تمام ساتھی ہیں جنھوں نے میری فکری رہنمائی کی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچا سکوں۔ اللہ تعالی ان تمام ساتھیوں کو عظیم اجر سے نوازے اور ان کی محنت و کاوش کو قبول فرمائے۔ (آمین)

اس کتاب کے محرک برادرم اسلم زبیر ہیں جنھوں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی دو تین ماسٹر کیسٹس کثرت استعمال کی وجہ سے اب اس قابل نہیں رہیں کہ ان کی مزید کاپیاں کی جائیں۔ اس حوالے سے وہ مجھ سے مشورہ کر رہے تھے اور میں ان سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ہمارے پاس موجود یہ عظیم سرمایہ مرور زمانہ کے ساتھ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس وقت میں نے سوچا کہ ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی کیسٹوں کو کتابی شکل دی جائے اور اسے اگلی نسلوں کے لئے محفوظ کیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کیلئے میں نے برادرم عاقل عزیز سے مشورہ کیا اور اس کی افادیت اور اہمیت کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے اس کام کو کر گزرنے کا عزم کیا۔ برادرم عاقل عزیز کے صائب مشورے اور ان کی مدد و رہنمائی سے ہی یہ کتاب موجودہ شکل میں آپ کے سامنے ہے، اللہ تعالی انہیں بہترین اجر و صلہ دے۔

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کو کون نہیں جانتا۔ سعودی عرب سمیت خلیجی ممالک، یورپ اور امریکہ میں آپؒ معروف ہیں۔ آپؒ کے دروس کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپؒ نے ایک عظیم علمی سرمایہ چھوڑا جو آپؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ آپؒ کی کیسٹوں کی ہزارہا کاپیاں بندگان خدا تک پہنچائی گئیں ہیں اور ہزارہا لوگوں نے ان کیسٹوں سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب ہمارے محسن، مربی اور استاد تھے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپؒ کا یہ

صدقہ قیامت تک جاری رہے۔ آپؒ کے فیض سے مجھ جیسے خوشہ چیں مستفید ہوتے رہیں۔ اس کتاب کو ترتیب دینے میں جہاں ڈاکٹر صاحبؒ کی علمی کاوشوں کو محفوظ رکھنا مقصود تھا وہیں آپؒ کے صدقہ جاریہ میں اضافہ اور تسلسل کے علاوہ اس کی برکات سے خوشہ چینی بھی ہمارا مقصد ہے۔ شاید اس طرح یہ کام ہمارے لئے بھی صدقہ جاریہ بن جائے۔

اس کتاب کو ترتیب دینے میں جو باتیں ملحوظ رکھی گئیں وہ درج ذیل ہیں:

1) اس کتاب کا بنیادی مواد دراصل درس اور تقریر ہے، اسے تحریر میں ڈھالنے کے لئے بعض جگہوں میں ضروری حذف، اضافہ اور ترامیم کی گئیں تا کہ تحریر مربوط اور جھول سے پاک ہو جائے۔ تقریر میں بعض فقروں اور جملوں کا اعادہ کرنا پڑتا ہے، کتاب میں ان جملوں کو حذف کیا گیا ہے۔

2) کتاب کی علمی قدر بڑھانے کیلئے حواشی دیئے گئے جن میں تمام آیات کے حوالے، تمام احادیث کے متن، سند اور ماخذ کے علاوہ مراجع کا نام اور حدیث یا صفحہ نمبر دیا گیا، نیز حدیث کے متعلق محدث کی رائے بھی دی گئی ہے۔ تاریخی واقعات کے حوالے دیئے گئے نیز درس کے دوران جن شخصیات کا ذکر ہوا ان کا مختصر تعارف دینے کی بھی کوشش کی گئی۔ گو کہ یہ تحریکی لٹریچر کا انداز نہیں تاہم جدت پسندی کے علاوہ حوالوں کا خاص اہتمام جس مقصد کیلئے کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

الف) اس سے مواد کا علمی وزن بڑھ جاتا ہے۔

ب) حوالوں سے اہل علم اور طالبین علم دونوں ہی مستفید ہوتے ہیں نیز ہمارے مدرس ساتھیوں کی بھی رہنمائی ہوتی ہے۔

ج) تحریکی لٹریچر میں جدت پسندی کا ایک پہلو نکلتا ہے۔

د) یہ تاثر زائل ہوتا ہے کہ علم ایک خاص طبقے کا ورثہ اور انہی کی کتابوں کا

خاصہ ہے۔

3) ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب کو مستند ترین بنایا جائے تاہم جن واقعات کا حوالہ ہمیں نہ مل سکا اس کی ہم نے نشاندہی کی ہے نیز جو حدیثیں ضعیف ہیں ان کی بھی نشاندہی کی گئی۔

4) کوشش کی گئی کہ حوالے ''امہات الکتب'' سے لئے جائیں، مجھے نہیں معلوم ڈاکٹر صاحبؒ نے جب اپنے درس کی تیاری کی تھی تو ان کے ماخذ کیا تھے تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ حوالہ اصل ماخذ سے ہی دیا جائے۔

درج بالا امور کے علاوہ میں خصوصی طور پر شکر گزار ہوں برادرم محمد مجیب کا جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی، مولانا محمد عابد ندوی کا جنہوں نے اس کتاب کے حواشی پر نظر ثانی کی اور برادرم عباس افضل کا جنہوں نے کیسٹ کو ٹرانسکرائب کر کے کمپوز کیا۔ اللہ تعالی ان تمام ساتھیوں کو جزائے خیر دے۔اس کتاب کے تمام اخراجات جن اہل خیر حضرات نے برداشت کیے، اللہ تعالی انہیں بھی بہترین اجر سے نوازے۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے تمام ساتھیوں کا بھی میں بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کیا۔ برادرم شاہد ہاشمی اور برادرم ابوالحسن کا خصوصی طور پر شکریہ جنہوں نے مجھے ٹیکنیکل مشوروں سے نوازا۔ اکیڈمی کے غیاث الدین بھائی کا بھی میں ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سرورق کے لئے مختلف خوبصورت ڈیزائن بنا کر ہمیں عنایت کیے نیز طباعت کے تمام مراحل کے دوران ہم سے ای میل پر رابطے میں رہے۔

اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی غلطی یا خامی ہے وہ میری طرف سے ہے اور میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ اس پر مجھے معاف کرے اور جو اچھی بات ہے وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے نیز یہ ڈاکٹر صاحبؒ کی کاوش ہے، اللہ تعالی اسے قبول کرے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارہ عکس و آواز کے مکتبہ میں ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی 42 کیسٹس ہیں، ان میں سے دو کیسٹوں کو کتابی شکل میں ڈھالا گیا ہے، اب یہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مزید 40 کیسٹیں موجود ہیں جنہیں کتابی شکل میں ڈھالنے کی کوشش ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالی ہمیں ہمت و استطاعت دے کہ ہم باقی کیسٹوں کو بھی کتابی شکل میں ڈھال سکیں۔

اس کتاب کے قارئین سے استدعا ہے کہ کہ ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی بلندئ درجات کی دعا کریں، اس کتاب میں جتنے لوگوں نے حصہ ڈالا ہے، ان کیلئے بہتر اجر کی دعا کریں نیز اس خاکسار کیلئے بھی دعا کریں کہ اس کی یہ کاوش اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو اور اس کیلئے صدقہ جاریہ بنے۔

هذا واللہ الموفق

عبدالستار خان

سعودی عرب، جدہ۔ 20 مئی 2010

+966 50 361 3075

nazar_70@hotmail.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ
۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۭ ۝ نُزُلًا مِّنْ
غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ
لَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ
كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ
اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

حٰمٓ السجدة

صدق الله العظيم

ترجمہ معانی کلام اللہ:

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہوجاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں تم جو کچھ چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔ یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے''۔ اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور (اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں جو آیات مبارکہ اور ان کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے وہ سورہ حم سجدہ کی 7 آیتیں ہیں، آیت نمبر 30 سے آیت نمبر 36 تک۔قرآن میں 7 سورتیں ایسی ہیں جنکی ابتدا ''حاء اور میم'' کے حروف مقطعات سے ہوتی ہے[1]۔

ان ساتوں سورتوں کو'' آل حم'' یا ''حوامیم'' کہا جاتا ہے۔یہ سب سورتیں قرآن مجید میں 24 ویں پارے سے جہاں ایک ربع پارہ ختم ہوتا ہے، وہاں سے لیکر جہاں 26 ویں پارے کا ایک ربع ختم ہوتا ہے تک ہیں، یعنی 2 پاروں سے زائد ایک ساتھ یہ 7 سورتیں آئی ہیں۔

''حوامیم'' میں پہلی سورہ المؤمن ہے جس کا نام سورۂ غافر بھی ہے۔دوسری سورت حم سجدہ ہے جس کا نام سورہ فصلت بھی ہے، تیسری سورہ الشوریٰ، اس کے بعد سورہ الزخرف ہے، پھر سورہ الدخان، پھر سورہ الجاثیہ ہے اور آخر میں سورہ الاحقاف ہے۔

ان سورتوں کے متعلق ہمیں نبی اکرم ﷺ سے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ سے کثیر روایات ملتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان سورتوں کی بڑی فضیلت ہے۔نبی اکرم ﷺ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ جہاد کے موقع پر رات کے وقت اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

(1) حروف مقطعات قرآن مجید کی بعض سورتوں کے آغاز میں پائے جاتے ہیں۔جس زمانے میں قرآن مجید نازل ہوا اس دور کے اسالیب میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا۔خطیب اور شعراء دونوں اس اسلوب سے کام لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی ﷺ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں جو آپ (ﷺ) بعض سورتوں کی ابتدا میں بولتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے بھی ایسی کوئی روایت منقول نہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ان کے معنی پوچھے ہوں۔بعد میں یہ اسلوب متروک ہوگیا اور اس بنا پر مفسرین کیلئے ان کے معانی متعین کرنا مشکل ہوگیا لیکن ظاہر ہے کہ نہ تو ان حروف کا مفہوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار ہے اور نہ ہی یہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے معنی نہ جانے گا تو اس کے راہ راست پانے میں کوئی نقص رہ جائے گا۔(ماخذ: تفہیم القرآن، از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 1/49۔

”اِنْ بِيْتُمُ اللَّيْلَةَ فَقُوْلُوْا: حٰمٓ ، لَا يُنْصَرُوْنَ“

”تم سونے سے پہلے یہ پڑھ لو: حم (دشمن) کی مدد نہیں ہوگی“ (2)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”حم“ میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جس سے حفاظت کا پہلو نکلتا ہے۔ اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص صبح کو آیت الکرسی اور سورہ المؤمن کی شروع کی تین آیتیں پڑھ لے وہ سارا دن اور رات اللہ کی حفاظت میں آجائے گا“ (3)

صحابہ کرامؓ سے بھی کافی روایات ملتی ہیں جو ان سورتوں کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ خصوصاً سورہ مؤمن کی جو ابتدائی آیتیں ہیں، ان کے متعلق دو عجیب روایتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب امیر المومنین تھے تو آپؓ کی مجلس میں شام کا ایک بڑا طاقتور شخص آیا کرتا تھا اور پھر آپؓ نے محسوس کیا کہ کچھ عرصے سے وہ شخص نہیں آرہا تو آپؓ نے پوچھا:

”فلاں شامی کو کیا ہوگیا، وہ کیوں نہیں آتا؟“

لوگوں نے کہا :

”امیر المومنینؓ! اس کا آپ سے کیا ذکر کریں، اس کو تو نشے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اکثر

---

(2) تفسیر القرآن الکریم، از علامہ ابن کثیر 7/117، محدث نے اسے صحیح سند قرار دیا ہے نیز اس سے ملتی جلتی دیگر روایات کیلئے دیکھئے: ابوداؤد 2597، مشکواۃ المصابیح 4/57، السلسلة الصحيحة 3097۔

(3) امام بغویؒ نے اپنی کتاب ”شرح السنة“ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث نقل کی ہے کہ ”جو شخص صبح آیت الکرسی اور حم تنزیل الکتاب کی شروع کی دو آیتیں پڑھ لے وہ شام تک حفاظت میں رہے گا اور جس نے شام کو پڑھیں وہ صبح تک حفاظت میں رہے گا“ محدث اس حدیث کو غریب قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے: شرح السنہ 3/22، اس سے ملتی جلتی دوسری حدیث امام ذہبی نے ”میزان الاعتدال“ میں نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ”اس کے راویوں میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر الملیکی ہے جو مجروح ہے۔ دیکھئے: میزان الاعتدال 2/550، اس سے مشابہ ایک اور حدیث محدث عراقی نے ذیل المیزان میں نقل کی 1/85 اور لکھا کہ امام دار قطنی نے اس کے ایک راوی ابراہیم بن جعفر کو مجہول قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے مشابہ دیگر احادیث جن میں آیت الکرسی اور حم المومن کی آیات کا ذکر ہے وہ سب مجہول، ضعیف یا غریب ہیں جبکہ حضرت عمرؓ سے منقول ایک روایت کو امام دار قطنی نے باطل قرار دیا ہے۔ دیکھئے: لسان المیزان 1/260، نتائج الافکار 2/421، بذل الماعون 91 اور الفتوحات الربانیہ 3/284۔

اوقات وہ نشے میں دھت پڑا رہتا ہے''

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ اسے میری طرف سے ایک مکتوب روانہ کرو، اس خط میں لکھا:

''سلام ہو تم پر اور میں حمد و ثنا بیان کرتا ہوں اس ہستی کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ہستی ہے:

حٰمٓ ، تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

ترجمہ ''ح ،م ، اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا، گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں ، اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے''

یہ آیتیں لکھ کر خط اس شخص کو بھیج دیا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپؓ نے کہا کہ یہ خط اسے ایسے موقع پر دینا جب وہ نشے کی حالت میں نہ ہو۔ جب اس نے خط پڑھا تو کہا:

''اللہ نے مجھ سے معافی کا وعدہ کیا ہے اور اپنی سزا سے ڈرایا ہے''

پھر وہ خط پڑھتا گیا اور روتا گیا۔ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور کہا کہ'' اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں اپنے گناہوں سے'' اور وہ ہمیشہ کیلئے تائب ہو گیا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا:

''لوگو! جب تم دیکھو کہ تمہارا بھائی گناہ کا ارتکاب کرنے لگا ہے تو اس کی مدد کرو، اس کیلئے دعا کرو اور اسے تنہا چھوڑ کر شیطان کے حوالے نہ کرو''(4)

دراصل دعوت و تبلیغ کا یہ طریقہ ہے کہ حکمت کے ساتھ بات لوگوں تک پہنچائی

....

(4) الکشاف، از علامہ زمخشریؒ، تفسیر سورہ غافر، نیز مذکورہ آیات کی تفسیر میں دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن، از امام قرطبیؒ، تفسیر القرآن الکریم، از علامہ ابن کثیرؒ۔

جائے۔ یہ نہیں کہ تمہیں کسی کی کسی خرابی کا پتہ چلے تو فوراً اس پر لٹھ لیکر کھڑے ہو جاؤ بلکہ اسے اللہ کی یاد دلاؤ، اللہ کی صفات یاد دلاؤ، اسے اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی ترغیب دلاؤ تو گنہگار شخص توبہ کرلے گا۔

ایک اور روایت ملتی ہے اور جیسے میں نے عرض کیا کہ دونوں روایتیں نسبتاً عجیب ہیں، اس روایت کا تعلق ایک تابعی(5) سے ہے، یعنی نبی کریم ﷺ کے صحابی نہیں بلکہ صحابی کے تابعی(6)، ان سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک دفعہ ایک باغیچہ میں تھا اور میں نے یہ آیتیں پڑھیں:

حٰمٓ ، تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِىْ الطَّوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

ترجمہ ''ح،م، اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا، گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے''

جب ان آیات کی تلاوت کی تو میں نے دیکھا کہ کوئی شخص مجھے پکار رہا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، ایک شخص یمنی لباس میں ملبوس تھا۔ بہت خوبصورت گھوڑے پر سوار، ایک ایسا شخص جس کو میں نہیں جانتا تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جب تم یہ آیات پڑھا کرو تو یہ دعا بھی مانگا کرو۔ میں نے کہا کہ کیا دعا؟ تو اس نے کہا کہ یہ دعا مانگو:

يَا غَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْلِىْ ، وَيَا قَابِلَ التَّوْبِ اقْبَلْ تَوْبَتِىْ وَيَا شَدِيْدِ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِىْ وَيَا ذِىْ الطَّوْلِ طُلَّ عَلَىَّ بِخَيْرٍ

اے گناہوں کے معاف کرنے والے میرے گناہوں کو معاف کردے، اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول کرلے، اے سخت عذاب دینے والے مجھے عذاب میں مبتلا

....

(5) معروف تابعی حضرت ثابت البنانیؒ

(6) تابعی وہ مسلمان شخص ہے جس نے اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو دیکھا ہو۔

نہ کرنا اور اے بڑے وسیع فضل والے میرے اوپر اپنے فضل کو وسیع کر دے۔

کہنے لگے کہ:

''جب میں نے یہ الفاظ سنے، پھر پلٹ کر دیکھا تو وہ شخص غائب ہو چکا تھا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم نے ان صفات کے حامل کسی شخص کو دیکھا ہے تو لوگوں نے انکار کیا۔ خیال یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کو کوئی الہامی ہدایت تھی جو پہنچائی گئی۔ (7)

الغرض حوامیم سورتوں کے متعلق اس طرح کی کثیر روایتیں ملتی ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے سورہ حم سجدہ کی 7 آیتیں اور ترجمہ رکھا تھا، دراصل یہی آیتیں ہمارا مرکزی موضوع ہیں۔ حم سجدہ کے متعلق بھی ہمیں ایک روایت ملتی ہے اور یہ میں آپ کے سامنے اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ میرا انداز یہ ہوتا ہے کہ جب میں قرآن کے کسی حصے کا مطالعہ پیش کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ اس حصہ یا اس سورہ یا اس مقام کے متعلق جو بھی مختلف روایات ہوں اور خاص طور پر وہ جو حدیث سے ثابت ہوں وہ آپ کے سامنے پیش کر دی جائیں تا کہ آپ کے سامنے اس کا پس منظر بھی آ جائے۔

سورہ حم سجدہ کے متعلق ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ایک بڑی عمدہ روایت ملتی ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کا دور ہے اور نبی اکرم ﷺ کو دعوت دیتے ہوئے کچھ عرصہ بیت چکا ہے۔ کفار مکہ مختلف ترکیبیں آزما چکے ہیں اور اب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس طریقے سے نبی اکرم ﷺ کو دعوت کے کام سے روکیں اور اس پیغام کو پھیلانے سے منع کریں۔ مکہ کے لوگوں کی عادت تھی کہ صبح کو ان کی محفلیں لگتی تھیں۔ ایک صبح کا موقع ہے اور حرم میں محفل سجی ہوئی ہے۔ مختلف سردار بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک کونے میں نبی اکرم ﷺ بھی تشریف رکھتے ہیں۔

مکہ کے سرداروں میں سے ایک سردار ہے جس کا نام عتبہ بن ربیعہ اور اس کی کنیت ابو

---

(7) آیات مذکورہ کی تفسیر میں دیکھیے: تفسیر ابن کثیرؒ، الجامع لاحکام القرآن، از علامہ قرطبیؒ

الولید تھی (8)۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیٹھے ہوئے ہیں، اگر تم کہو تو میں ان سے جا کر بات کروں۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے، شاید وہ میری بات مان جائیں اور ہمارے درمیان جو فتنہ برپا ہوگیا ہے وہ رفع دفع ہو جائے''

واضح رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو وہ ''فتنہ'' کہا کرتے تھے۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ کیوں نہیں، اگر تم کوشش کر سکتے ہو تو ضرور کرو تو عتبہ بن ربیعہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، میری بات سنو گے؟''

اب آپ دیکھئے کہ اس گفتگو میں دعوتِ دین کے کچھ نکات سامنے آتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوالولید! کیوں نہیں''

غور کیجئے گا، اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی کنیت استعمال کی۔ عربوں میں آج بھی یہ طریقہ رائج ہے کہ اگر کنیت سے پکارے جائیں تو اس میں وہ عزت واحترام محسوس کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عتبہ کی عزت وتکریم کی۔

اس نے کہا کہ:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے درمیان صادق وامین تھے، ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے توقعات وابستہ تھیں''

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے انبیاء ورسل آئے، پیشتر اس کے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام دینا شروع کیا، وہ اپنی قوم میں عزت اور شرف والے تھے

....

(8) عتبہ بن ربیعہ، قریش کے سرداروں میں سے تھا۔ اس کی دانائی کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوالولید'' کہہ کر اس کی تکریم کی۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ اس کے بیٹے ابوحذیفہؓ قدیم الاسلام تھے جبکہ بیٹی ہندؓ اور داماد حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے۔

اور قوم ان کی طرف دیکھا کرتی تھی۔ قوم ان سے کچھ توقعات باندھے بیٹھی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کے حوالے سے قرآن میں الفاظ ہیں، قوم نے ان کو کہا کہ:

قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا

''اے صالح اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں'' (9)

یہی انداز عتبہ کا بھی تھا۔ اس نے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مقام و مرتبہ ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ اب تم قوم میں ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار قرار دیا، ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی، ان کے آباء واجداد جو گزر چکے ہیں انہیں کافر ٹھہرا دیا لہٰذا میری بات سنو! میں تمہارے سامنے چند باتیں پیش کرتا ہوں، ان پر غور کرو، ہوسکتا ہے کوئی بات قبول کرلو''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ابوالولید! کہو، میں سنوں گا''

اس نے کہا:

''بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سے سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے دیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن

---

(9) ہود 62

بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لئے اس کا علاج تلاش کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ"

نبی اکرم ﷺ سنتے رہے اور جب وہ بول چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے ابوالولید! تمہاری بات ختم ہوگئی؟"

ذرا غور کیجئے گا، یہ بھی دعوت کا نکتہ ہے کہ جب آپ کا مقابل آپ سے بات کر رہا ہو تو اس کی بات بیچ میں کاٹ کر اس کے ساتھ کج بحثی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کو بولنے کا پورا موقع دیجئے، جب وہ بول چکا، اس کی تسلی ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اب میری سنو!" اور پھر آپ ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی تلاوت شروع کی۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے جو بات ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ کہ اکثر آپ ﷺ کی دعوت قرآن کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ قرآن ہی نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا:

وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

"اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہادِ کبیر کرو" (10)

آپ ﷺ کی دعوت کا یہی انداز تھا۔ آپ ﷺ نہ تو لمبے خطبے دیا کرتے تھے، نہ وعظ فرمایا کرتے تھے بلکہ اکثر آپ ﷺ قرآن کی آیتوں کی تلاوت کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے عتبہ کی بات کے جواب میں سورہ حم سجدہ کی تلاوت کی اور ایک روایت یہ ہے کہ جب آپ آیت سجدہ، آیت نمبر 38 پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور سجدہ سے سر اٹھا کر عتبہ سے فرمایا:

"اے ابوالولید! میرا جواب سن لیا؟" (11)

---

(10) الفرقان 52

(11) ابن ہشام 1/293 بحوالہ "الرحیق المختوم، از صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب آپ ﷺ 13 ویں آیت پر پہنچے اور اس کی تلاوت فرمائی ''اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں اسی طرح کے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا'' تو عتبہ نے آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

''اے محمد (ﷺ)! خدارا اپنی قوم پر رحم کرو'' (12)

پھر آپ ﷺ کو باقی آیتوں کی تلاوت نہیں کرنے دی۔

اس کے بعد عتبہ اپنے لوگوں میں واپس چلا گیا اور روایت میں آتا ہے کہ اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑا ہوا تھا۔ اس نے جا کر اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ:

''محمد (ﷺ) کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اگر اسے عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعہ انجام پائے گا اور اگر وہ غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی''

لوگوں نے کہا:

''ابوالولید! خدا کی قسم! تم پر بھی اس کی زبان کا جادو چل گیا ہے'' (13)

اس تمہید کے بعد اب آیئے سورہ حم سجدہ کی آیات 30 تا 36 کا مطالعہ کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ

''جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے''

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

''پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے''

---

(12) تفسیر ابن کثیرؒ بحوالہ تفہیم القرآن۔

(13) ابن ہشام 1/294

ربنا اللہ کہنے کے بعد اس پر جوڑٹ جاتے ہیں، جم جاتے ہیں، ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے:

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ

''یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں''

کیا کہتے ہیں ملائکہ؟:

أَلَّا تَخَافُوْا

''اور کہتے ہیں، نہ ڈرو''

وَلَا تَحْزَنُوْا

''نہ غم کرو''

وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ

''اور خوش ہو جاؤ جنت کی بشارت سے''

کونسی جنت؟:

الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

''وہ جنت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''

اور فرشتے یہ بھی کہتے ہیں:

نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِیْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

''ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں''

وَفِیْ الْآخِرَةِ

''اور آخرت میں بھی''

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِیْ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ

''وہاں تم جو کچھ چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی''

نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ

''یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے''

یہ پہلی مہمان داری ہوگی تمہارے لئے۔ نزل کہتے ہیں اس ضیافت کو جو مہمان کے

آتے ہی میزبان فوری طور پر پیش کرتا ہے۔فرمایا کہ فوری طور پر تمہارے لئے یہ مہمان نوازی ہوگی، کس ہستی کی طرف سے؟ وہ ہستی جو غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔

غور کیجئے کہ یہ پورا مضمون متعدد خوشخبریوں کا حامل ہے۔ ملائکہ کا نزول، ان کی طرف سے بشارت اور جنت کا وعدہ۔ جنت تمہیں ملے گی، وہ جنت جس میں رہنے والے کے دل میں جو خواہش ہوئی وہ پوری کردی جائے گی۔اس میں اہم بات یہ کہ یہ تو صرف شروع کی مہمان نوازی ہوگی، آگے چل کر کیا کیا تمہارے لئے ہوگا؟ اس کا تو پھر وہ عالم ہے جو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ، جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

''پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کیلئے چھپا کر رکھا گیا ہے، اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں'' (14)

اس جنت کی بشارتیں یہ فرشتے دے رہے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ ساری بشارتیں جو فرشتوں کے ذریعہ دی جارہی ہیں، کس کے لئے ہیں؟ فرمایا گیا:

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

''جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے''

یہ سب بشارتیں ان لوگوں کیلئے ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

''پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے''

اللہ کو اپنا رب کہنے کے بعد پھر اس پر جم گئے۔معلوم یہ ہوا کہ اتنی بڑی نعمتیں، اتنی بڑی بشارتیں، اللہ کی طرف سے یہ وعدے دو باتوں کی وجہ سے ہیں: ایک تو یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور دوسرا یہ کہ یہ کہنے کے بعد پھر اس پر وہ ڈٹ جاتے اور جم

---

(14) السجدہ 17

جاتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ ربنا اللہ کہنا اور اس پر ڈٹ جانا اور جم جانا، یہ کیا اتنی بڑی چیز ہے کہ اللہ کی طرف سے بشارتیں دی گئی ہیں۔ بظاہر تو لگتا ہے کہ یہ کوئی بڑی چیز نہیں۔ ہم کلمہ طیبہ ادا کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں، یہی تو کہتے ہیں کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کوئی نہیں معبود مگر اللہ ہمارا معبود ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ کہیں گے کہ اس میں استقامت کی بھی بات ہوگئی۔ استقامت کا لفظ تو ہم بہت استعمال کرتے ہیں۔ ہماری زبان جب بولنا شروع کرتی ہے تو ہمیں پہلے کلمہ سکھایا جاتا ہے، اس پر ہمارے والدین بھی خوش ہوجاتے ہیں۔ پھر جب ہمیں ہوش آتا ہے تو ہم خود بھی اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑا کر یہی دعائیں کیا کرتے ہیں کہ مرتے وقت ہمیں کلمہ طیبہ نصیب کیجئے۔ جب زبان کھلی تو یہ کلمہ طیبہ ادا کیا اور ساری عمر اسی کلمے کو دہراتے رہے اور موت کے وقت بھی تمنا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کلمہ نصیب کرے تو اس سے بڑھ کر استقامت اور کیا ہوسکتی ہے؟

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے اور اسی کلمہ کو کہتے ہوئے وہ زندگی گزارتا ہے، گویا وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے متعلق سمجھا جائے کہ اس نے ''ربنا اللہ'' کہا اور اس پر وہ ڈٹ گیا۔ اگر یہ معاملہ اتنا ہی آسان ہوتا تو کیا ہی بات تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بات اتنی آسان نہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ربنا اللہ کہنے والوں نے کیا مثالیں قائم کی ہیں۔

رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے کا مطلب:

قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک وسیع میدان ہے اور پورا قرآن مجید، نبی اکرم ﷺ کی پوری سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ کی تمام زندگیاں اسی کلمہ کے گرد گھوم رہی ہیں۔ ان واقعات سے ہمیں معلوم ہوگا کہ ربنا اللہ کہنے کے دراصل معنی کیا ہیں؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اور ربنا اللہ کا وہ کونسا معیار ہے جو ہم سے مطلوب ہے۔

میں آپ کے سامنے قرآن مجید سے چند واقعات پیش کروں گا تاکہ معلوم ہوجائے کہ ''ربنا اللہ'' کا مطلب کیا ہے، اس کے بعد ہم معلوم کریں گے کہ استقامت کے کیا معنی ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرتا ہے تاکہ ہم اس سے عبرت حاصل کریں۔ نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں جو مثالیں آئی ہیں تم ان سے عبرت پکڑا کرو۔(15)

قرآن میں مختلف واقعات ملتے ہیں۔ میں جس واقعے کا ذکر کررہا ہوں، یقیناً یہ تمام واقعات آپ کے علم میں ہیں۔ کوئی نئی چیز میں آپ کو نہیں بتارہا، بس تذکیر ہے تاکہ اس کی اہمیت اجاگر ہوجائے کہ ربنا اللہ کے کیا معنی ہیں؟

پہلا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ہے۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے(16)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالی نے بہت ساری نشانیاں عطا فرمائی تھیں، قرآن مجید نے 9 نشانیوں کا ذکر کیا ہے(17) مگر اس میں سے دو نشانیاں بہت اہم تھیں۔ ایک آپؑ کا عصا اور دوسرا ید بیضا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر آپؑ اللہ کی طرف سے نشانیاں لے کر آئے ہیں تو دکھائیے، قرآن مجید کا بیان ہے کہ:

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ

''موسیٰ نے اپنی عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک جیتا جاگتا اژدہا تھا''

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ

---

(15) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث کا ایک ٹکڑا، مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: السلسلة الصحيحة، از علامہ البانیؒ 587، محدث نے اسے حسن کہا ہے۔

(16) ''المصحف الرقمي'' نامی ڈیجیٹل سرچ انجن میں تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر 131 مرتبہ جبکہ فرعون کا نام 67 مرتبہ آیا ہے۔

(17) دیکھئے: سورہ الاسراء 101 اور النمل 12

''اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا اور سب دیکھنے والوں کے سامنے وہ چمک رہا تھا'' (18)

جب آپؑ نے نشانیاں دکھائیں تو فرعون کے درباریوں نے کہا:

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ

''اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے'' (19)

ان کے ذہن میں یہی چیز آئی اور یہی آ بھی سکتی تھی کہ اگر یہ جادوگر ہے تو اس کا توڑ کرنے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ ہمارے ملک میں جادوگروں کی کوئی کمی نہیں۔

قَالُوآ أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِيْ الْمَدَآئِنِ حَاشِرِيْنَ، يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيْمٍ

''پھر ان سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے اور اس کے بھائی کو انتظار میں رکھئے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں'' (20)

جادوگروں کا آپس میں مقابلہ ہو جائے گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بر سر عام مات ہو جائے گی۔ چنانچہ طے ہوا کہ مقابلہ ہوگا، جشن کے دن ہوگا، دن چڑھے ہوگا، وسیع میدان میں ہوگا اور سارے ملک میں منادی کرادی جائے۔ جادوگر آئے اور آتے ہی انہوں نے فرعون سے کہا:

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْراً إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِيْنَ

''جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا، ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے'' (21)

ذرا غور کیجئے گا! ان کا انداز یہ تھا کہ وہ آئے اور آتے ہی فرعون سے کہا کہ ہم مقابلے

....

(18) الاعراف 107، 108، نیز سورہ الشعراء 32، 33

(19) الاعراف 109

(20) الاعراف 111، 112

(21) الشعراء 41

کے لئے تو تیار ہیں، اگر ہم جیت گئے تو کچھ پیسہ ویسہ ملے گا یا نہیں؟ ہم اتنی محنت کریں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دیں گے تو کچھ انعام کی بھی بات کرو۔ قرآن مجید ہمیں یہ دکھا رہا ہے کہ یہ جادوگر عین دنیا کی خاطر آئے اور فرعون سے اس کا اظہار بھی کیا۔

فرعون نے جواب میں کہا:

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذاً لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ

''اس نے کہا: ہاں، اور تم تو اس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے'' (22)

پیسہ ہی نہیں دوں گا بلکہ تم کو اپنا مقرب بنادوں گا، اس سے وقار حاصل ہوگا، صرف یہ کرو کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دے دو۔ پھر لوگ جمع ہوئے، دربار سجا اور مقابلہ شروع ہوا۔ وہ جادو کا جتنا زور دکھا سکتے تھے، دکھایا۔ خود قرآن مجید کا بیان ہے کہ:

وَجَآءُ وا بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ

''بڑا ہی زبردست جادو لائے'' (23)

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے وحی کی کہ آپؑ اپنا عصا پھینکیں، پھر انہوں نے عصا پھینکا، اس عصا نے ان کے جادو کو باطل کر دیا۔ مقابلے پر جادوگر تھے جو اپنے فن کے ماہر تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ جادو کیا ہوتا ہے، ان کے سامنے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ آیا تو یہ بات ان پر واضح ہوگئی کہ یہ جادو نہیں کیونکہ جادوگر وہ خود تھے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْن

''اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا'' (24)

حق کھل گیا اور باطل واضح ہو گیا۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صَاغِرِيْنَ

....

(22) الشعراء 42

(23) الاعراف 116

(24) الاعراف 118

''فرعون اور اس کے ساتھی میدانِ مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کے بجائے) الٹے ذلیل ہوگئے'' (25)

یعنی وہ مقابلے میں ہار گئے، پھر کیا ہوا؟:

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِيْنَ

''اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرادیا'' (26)

اللہ نے ان کیلئے ایسا بندوبست کردیا کہ جادوگر سجدہ کرنے پر مجبور ہوگئے، انہوں نے سجدہ کیا اور کہا:

قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُوْنَ

''ہم نے رب العالمین کو مان لیا، اس رب کو جسے موسیٰؑ اور ہارونؑ مانتے ہیں'' (27)

انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اس ہستی پر جو رب العالمین ہے۔ وہ رب جو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ انہوں نے ''ربنا اللہ'' کہا۔ جب انہوں نے بھرے دربار میں اس چیز کا اظہار کیا کہ یہ جادو نہیں تو فرعون کی کیا حیثیت رہ گئی ہوگی۔ اس نے تو یہ کھیل اس لئے رچایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہار ہوجائے اور بات یہیں ختم ہوجائے مگر یہاں تو الٹی پڑ گئی تھی۔ فرعون نے فوراً جادوگروں کو دھمکی دی:

إِنَّ هَـٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ أَهْلَهَا ، فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

''یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دار السلطنت میں کی تا کہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کردو، اس کا نتیجہ تم جلد جان لوگے'' (28)

تم نے بڑی چال چلی اور لگتا ایسا ہے کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا استاد ہے:

---

(25) الاعراف 119

(26) الاعراف 120

(27) الاعراف 121،122

(28) الاعراف 123

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

''معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارا گرو ہے جس نے تمہیں جادوگری سکھائی تھی'' (29)

یہ تمہاری ملی بھگت تھی۔ یہ سارا ڈرامہ تم لوگوں نے اس لئے رچایا ہے کہ تم ہم کو ہمارے اس ملک سے نکالنا چاہتے ہو۔ پھر اس نے دھمکی دی:

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ

''میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوادوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا'' (30)

گویا کہ اس نے دھمکی دی اس خیال سے کہ شاید یہ جادوگر باز آجائیں۔ اب ذرا غور کیجئے کہ ''ربنا اللہ'' کہنے کی کیا تاثیر ہے۔ وہ جادوگر جو ابھی چند لمحے پہلے فرعون سے یہ کہہ رہے تھے کہ:

أَئِنَّ لَنَا لَأَجْراً إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ

''ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے'' (31)

یعنی ان کا صرف اتنا ہی مطمح نظر تھا، دنیا سے آگے دیکھنے کو وہ تیار نہیں تھے، وہی جادوگر ایک ہی لمحے کے اندر بدل جاتے ہیں تو کس انداز سے بدلتے ہیں، ''ربنا اللہ'' کہے چند گھڑیاں ہی گزری ہیں۔ ایمان لانے کے بعد انہوں نے نہ طہارت کی، نہ نماز پڑھی نہ انہوں نے کوئی روزہ رکھا اور نہ ہی انہوں نے کوئی حج کیا۔ جب خلوص نیت کے ساتھ، دل کے پورے اطمینان کے ساتھ انہوں نے ''ربنا اللہ'' کہا اور یہ سمجھ کے کہا کہ واقعتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، اب ان کے اندر وہ جرأت پیدا ہوئی کہ فرعون کی وہ دھمکی جو صرف دھمکی نہیں تھی بلکہ ان کو نظر آرہا تھا کہ فرعون کر گزرے گا۔

....

(29) طٰہٰ 71، الشعراء 49

(30) الاعراف 124

(31) الشعراء 41

ہمارے ہاتھ اور پیر کٹوا دے گا اور ہمیں سولی پر چڑھا دے گا۔ فرعون کو بھرے دربار میں انہوں نے جو جواب دیا وہ قابل غور ہے۔ یہ جواب قرآن مجید کے مختلف مقامات میں مختلف انداز میں آیا ہے (32) میں آپ کے سامنے سورہ طہٰ کی آیت پیش کررہا ہوں:

قَالُوا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَاءَ نَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا

''جادوگروں نے جواب دیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں'' (33)

غور کیجئے گا؟ انہوں نے کہا کہ'' اے فرعون بعد اس کے کہ ہمارے سامنے واضح نشانیاں آگئی ہیں، ہم تجھے ترجیح نہیں دیں گے، ہم اس ہستی کی تکذیب کیسے کرسکتے ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا؟

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ، اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیَاةَ الدُّنْیَا

''توجو کچھ کرنا چاہے کرلے، تو زیادہ سے زیادہ اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے'' (34)

زیادہ سے زیادہ تو ہماری زندگی کا ہی فیصلہ کرسکتا ہے اور کیا کرے گا، ہمارے ہاتھ اور پیر کاٹ دے گا، ہم کو سولی چڑھا دے گا، ہماری جان لے لے گا، بس یہی کرے گا نا؟

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطَایَانَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ، وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی

''ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف کردے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، درگزر فرمائے، اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے'' (35)

وہی رب کا لفظ پھر آیا'' ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے'' اللہ پاک ہماری اس غلطی کو

....

(32) دیکھئے: سورہ الشعراء 50، 51، الاعراف 125، 126

(33) طہٰ 72

(34) طہٰ 72

(35) طہٰ 73

معاف کردیگا، ہم جانتے ہیں کہ باقی رہنے والا اللہ ہی ہے۔

''ربنا اللہ'' کہنے کی تاثیر یہ ہے۔ اگر خلوص نیت کے ساتھ کہا جائے تو وہی جادوگر جو فرعون سے اجر مانگ رہے تھے، پلٹے ہیں تو کیسے پلٹے ہیں۔ ''ربنا اللہ'' کہنے کی تاثیر کا یہ ایک واقعہ ہے۔

آلِ فرعون کا مردِ مومن:

دوسرا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی فرعون کے دربار کا واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک مرتبہ فرعون اپنے درباریوں سے اس چیز کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے چھوڑو، میں (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کئے دیتا ہوں:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيٓ أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ، إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِيْ الْأَرْضِ الْفَسَادَ

''ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: چھوڑو مجھے، میں اس موسیٰ کو قتل کئے دیتا ہوں اور پکارے یہ اپنے رب کو، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا'' (36)

یہ سورہ مؤمن کی آیت ہے جو ''حوامیم'' کی پہلی سورت ہے، یہ واقعہ اسی سورہ میں بیان ہوا ہے۔ جب فرعون نے صریحاً اس بات کا اظہار کیا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کئے دیتا ہوں تو فرعون کے ہی خاندان سے ایک شخص جو ایمان لے آئے تھے مگر اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ اس مردِ مؤمن نے محسوس کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دفاع میں بولوں:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيْمَانَهٗ

''اس موقع پر آل فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے

---

(36) مؤمن 26

تھا، بول اٹھا'' (37)

سورہ مؤمن کا نام اسی لئے مؤمن ہے کہ اس میں ''رجلِ مؤمن'' کا ذکر آیا ہے۔(38) یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ قرآن مجید میں کسی ایک شخص کی اتنی طویل تقریر نہیں آئی جتنی اس رجل مؤمن کی آئی ہے(39)۔ انہوں نے دربار میں کہا:

أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبِّىَ اللّٰهُ

''کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کردو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟'' (40)

اس کا قصور ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے، تم اسی لئے مارنا چاہتے ہو؟۔

وَقَدْ جَآءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ

''حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے آیا ہے'' (41)

یہ اس مردِ مومن کے الفاظ ہیں، پھر ان کی طویل تقریر ہے۔ جب فرعون کے دربار میں انہوں نے اس کا برملا اظہار کیا ہوگا تو ان کو انجام نظر آرہا تھا کہ فرعون میرے ساتھ کیا حشر کرسکتا ہے چنانچہ ان کی تقریر کے آخر میں ایک پیاری آیت آئی، انہوں نے کہا:

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا أَقُوْلُ لَكُمْ

''(اے لوگو!) آج میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اسے یاد

---

(37) مومن 28

(38) واضح رہے کہ اس سورہ کا نام غافر بھی ہے۔

(39) اہل علم کے درمیان اس مردِ مومن کے حوالے سے اختلاف ہے مگر صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ فرعون کے خاندان میں سے تھے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''اس مردِ مومن اور فرعون کی بیوی کے سوا آل فرعون میں سے کوئی ایمان نہیں لایا'' مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: جامع البیان فی تفسیر القرآن، از امام طبریؒ، الکشاف، از علامہ زمخشریؒ، الجامع لاحکام القرآن، از قرطبی۔ واضح رہے کہ مذکورہ تفاسیر میں مومن آل فرعون کے حوالے سے ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ''صدیق تین ہیں، مومن آل فرعون، آل یاسین کے حبیب النجار اور علیؓ بن ابی طالب'' علامہ البانیؒ نے اسے من گھڑت کہا ہے۔ دیکھئے: ضعیف الجامع 3550 اور السلسلة الضعیفہ 355۔

(40) مومن 28

(41) ایضا

کرو گے'' (42)

وَأُفَوِّضُ أَمْرِيَ إِلَى اللّٰهِ ، إِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

اور اپنا معاملہ میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں، وہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے'' (43)

میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے عذاب اور سختی سے ان کو بچالیا۔قرآن کی آیت اس کی تصریح کررہی ہے:

فَوَقَاهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا

''آخر کاران لوگوں نے جو بری سے بری چالیں اس مومن کے خلاف چلیں، اللہ نے ان سب سے اس کو بچالیا'' (44)

کس طریقے سے بچالیا؟ اس بات کی تصریح نہیں ملتی ۔ یہ ''ربنا اللہ'' کہنے کا دوسرا واقعہ ہے جو ہمارے سامنے قرآن کے مطالعے سے آتا ہے کہ جب اس مردِ مومن نے ''ربنا اللہ'' کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر وہ جرأت پیدا فرما دی کہ فرعون کے بھرے دربار میں انہوں نے حق بات کہہ دی۔

حبیب النجارؒ کا واقعہ:

تیسرا واقعہ سورہ یاسین سے آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔یہ اس شخص کا واقعہ ہے جسے قرآن مجید نے ''رجل'' یعنی مرد کہا ہے (45)۔

سورہ یاسین کی آپ یقیناً تلاوت کرتے ہوں گے۔ اس سورت کی بڑی

---

(42) مومن 44

(43) ایضا

(44) مومن 45

(45) صحیح ترین رائے یہ ہے کہ اس مردِ مومن کا نام حبیب اور پیشہ بڑھئی تھا اس لئے انہیں ''حبیب النجارؒ'' کہا جاتا ہے۔سورہ یاسین کی آیت 20 کی تفسیر میں دیکھئے: جامع البیان فی تفسیر القرآن، از امام طبریؒ، الکشاف، از علامہ زمخشریؒ، مفاتیح الغیب، از علامہ رازیؒ، انوار التنزیل، از علامہ بیضاویؒ، فتح القدیر، از علامہ شوکانی، الجامع لاحکام القرآن، از امام قرطبیؒ اور تفسیر ابن کثیر۔

فضیلت آئی ہے (46)۔

پہلے یہ بیان کیا گیا کہ ہم نے ایک بستی میں دو رسول بھیجے، لوگوں نے ان کا انکار کر دیا تو ان کی مدد کیلئے ہم نے تیسرے رسول کو بھیجا۔لوگوں نے ان کا بھی انکار کر دیا تو پھر ایک آدمی شہر کے دور دراز حصے سے بھاگتا ہوا آیا:

وَجَآءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَسْعٰى

''اتنے میں شہر کے دور دراز گوشے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا'' (47)

اس شخص نے آ کر اپنی قوم سے کہا:

قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ

''اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کی پیروی اختیار کرو'' (48)

یہ تم کیا کر رہے ہو؟، ان رسولوں کی تم تکذیب کر رہے ہو، یہ رسول تو صرف تمہیں ہدایت دینے کیلئے آئے ہیں، وہ تم سے کوئی اجر نہیں چاہتے۔

اتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

''پیروی کرو ان لوگوں کی جو تم سے کوئی اجر نہیں چاہتے اور ٹھیک راستے پر ہیں'' (49)

انہوں نے کھل کر اس بات کا اعلان کیا کہ:

....

(46) متعدد راویوں سے مروی ہے کہ ''یاسین قرآن کا دل ہے'' محدث ابن عساکرؒ نے اسے ''حسن غریب'' کہا ہے (معجم الشیوخ 2/1086) علامہ ہیثمیؒ نے اس کے ایک روای کو مطعون کیا ہے (مجمع الزوائد 6/314) جبکہ علامہ منذریؒ نے اسے ''صحیح'' یا ''حسن'' کا درجہ دیا ہے (ترغیب وترہیب 2/319) جبکہ باقی محدثین نے اسے مجہول، ضعیف اور منکر قرار دیا ہے۔ سورہ یاسین کے متعلق ایک اور روایت ہے کہ ''مرنے والوں پر سورہ یاسین پڑھا کرو'' اس مفہوم کی احادیث متعدد کتب میں آئی ہیں جن کے بارے میں امام ابوداؤد نے خاموشی اختیار کی ہے اور ایک اور مقام پر فرمایا ''جس روایت پر خاموشی اختیار کی جائے وہ صحیح ہے'' (سنن ابو داؤد 3121) علامہ ابن ملقن نے اسے صحیح قرار دیا ہے (شرح البخاری لا بن ملقن 23/153) علامہ شوکانیؒ نے اسے ''حسن'' کہا ہے (الفتح الربانی 9/4502) جبکہ دیگر محدثین نے اس مفہوم کی روایت کو مجہول، ضعیف اور منکر قرار دیا ہے۔

(47) یاسین 20

(48) ایضا

(49) یاسین 21

إِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ

’’میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا، تم بھی میری بات مان لو‘‘ (50)

اتنا کہنا تھا کہ قوم نے انہیں شہید کر دیا (51)

جیسے ہی انہیں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ

داخل ہو جاؤ جنت میں‘‘ (52)

جنت میں داخل ہوئے تو ان کی خواہش تھی:

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ

’’اس نے کہا: کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے‘‘

بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ

’’کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرمادی اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرمایا‘‘ (53)

دیکھئے کہ کس قدر ان کے اندر دعوت اور ہدایت کا جذبہ تھا کہ لوگوں نے انہیں شہید کر دیا، شہید ہوتے ہی جب وہ جنت میں داخل ہوئے تو ان کی زبان پر تمنا تھی کہ کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ ’’ربنا اللہ‘‘ کہنے کے عوض اللہ تعالیٰ نے کس انعام واکرام سے مجھے نوازا ہے۔

....

(50) یاسین 25

(51) حبیب النجارؒ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، قرآن میں اس کی صراحت نہیں تاہم تفاسیر میں آتا ہے کہ انہیں آروں سے چیرا گیا، بعض کا کہنا ہے کہ انہیں پیروں سے کچلا گیا جبکہ بعض نے سنگسار کرنے کا ذکر کیا ہے، اس حال میں بھی ان کے زبان پر دعا تھی ’’یا اللہ میری قوم کو ہدایت دے‘‘ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: تفسیر القرآن، از حافظ ابن کثیرؒ اور جامع البیان فی تفسیر القرآن، از امام طبریؒ

(52) یاسین 26

(53) یاسین 26، 27

اصحاب الکہف:

''ربنااللہ'' کہنے کا چوتھا واقعہ سورہ الکہف سے ہے۔سورہ الکہف کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے خصوصاً جمعہ کے دن اس کی تلاوت باعث ثواب اور دجال کے فتنے سے محفوظ کرنے کا سبب ہے(54)۔کہف کے معنی غار کے ہیں اور اسی سورہ میں اصحاب الکہف کا واقعہ مذکور ہے۔اس مناسبت سے اس کا نام سورہ الکہف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْکَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ

''ہم ان (اصحاب الکہف) کا اصل قصہ تمہیں سناتے ہیں'' (55)

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى

''وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی'' (56)

ذرا الفاظ پر غور کیجئے گا! انبیاء اور رسل علیہم السلام کے واقعات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایمان لانے والا اولین گروہ قوم کا نوجوان طبقہ ہوا کرتا ہے۔ وہ لوگ جو ادھیڑ عمر یا

---

(54) جمعہ کے دن سورہ الکہف کی تلاوت کی فضیلت پر متعدد احادیث وارد ہیں تاہم امام مسلمؒ کی صحیح میں جمعہ کے دن کا ذکر کئے بغیر اس کی فضیلت آئی ہے اور امام مسلمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے ''جس نے سورہ الکہف کی ابتدائی 10 آیات حفظ کیں تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا'' (صحیح مسلم بروایت حضرت ابودرداء 809) اسی سے ملتی جلتی روایت جس میں جمعہ کے دن کا ذکر نہیں علامہ منذریؒ نے نقل کی ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کے رواۃ صحیح ہیں (ترغیب وترہیب 1/139) تاہم جمعہ کے دن کی تخصیص کی احادیث پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ جمعہ کے دن کی تخصیص کی ایک روایت امام سیوطیؒ نے نقل کی ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے اس کی سند قابل قبول ہے (البدور السافرہ 249) جبکہ علامہ عبدالعزیز بن بازؒ سے ان احادیث کے متعلق سوال کیا گیا جن میں جمعہ کے دن سورہ الکہف کی تلاوت کی فضیلت وارد ہوئی ہے تو آپؒ نے فرمایا ''ان احادیث میں ضعف ہے (مجموع فتاویٰ بن باز 8/311) تاہم یہ حدیثیں ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتی ہیں (مجموع فتاویٰ بن باز 12/415)

(55) الکہف 13

(56) الکہف 13

پکی عمر کے ہوجاتے ہیں ان کے سامنے نہ جانے کتنی مصلحتیں آجاتی ہیں اور پھر ان مصلحتوں کی بنا پر وہ ایمان لانے میں ہچکچاتے ہیں مگر جو نوجوان ہوتے ہیں تو ان کا خون کھولتا ہوا ہوتا ہے۔ بات اگر سمجھ میں نہیں آتی تو نہیں آتی اور اگر ایک دفعہ بات سمجھ میں آگئی تو پھر دنیا کے فوائد اور نقصانات کی پروا کئے بغیر اس پر آمنا وصدقنا کہتے ہیں۔ یہ نوجوان جب ''ربنا اللہ'' کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان میں اضافہ کرنے کے ساتھ ان کے دلوں کو جما دیتا ہے:

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

''ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے'' (57)

إِذْ قَامُوْا

''جب وہ اٹھے اور کھڑے ہوگئے'' (58)

فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

''انہوں نے اعلان کر دیا کہ: ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے'' (59)

لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلٰهاً

''ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے'' (60)

معلوم ہوا کہ ''ربنا اللہ'' کہنے کی یہ تاثیر ہے کہ آدمی یک دم تبدیل ہوجاتا ہے اور اس کے اندر حق کی طاقت وجرأت پیدا ہوجاتی ہے۔

''ربنا اللہ'' کے ساتھ دراصل جو چیز مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ صرف اللہ ہی ہمارا رب ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ گویا ''ربنا اللہ'' میں یہ چیز بھی شامل ہے۔

---

(57) الکہف 14

(58) ایضاً

(59) ایضاً

(60) الکہف 14

اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ :

’’ربنا اللہ‘‘ کی حقیقت واضح کرنے کیلئے آخری واقعہ پیش کر رہا ہوں جس سے اس کے معانی کھل کر آپ کے سامنے آجائیں گے کہ ’’ربنا اللہ‘‘ صرف اللہ کو معبود ماننا ہی نہیں بلکہ اس کے کچھ اور بھی تقاضے ہیں ۔ یہ واقعہ سورہ یوسف سے ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یقیناً آپ نے پڑھا ہوگا کہ جب آپؑ کو جیل بھیجا گیا تو آپؑ کے ساتھ دو افراد بھی قید ہوئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ان نوجوانوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے خواب دیکھے ہیں، آپؑ اس کی تعبیر ہمیں بتا دیجئے۔

ان میں سے ایک نے کہا:

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا

’’ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں‘‘ (61)

دوسرے نے کہا:

وَقَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ

’’دوسرے نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں‘‘ (62)

پھر دنوں نے کہا کہ:

نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ، اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ

’’ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں‘‘ (63)

اب دعوت کا انداز دیکھئے! حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع غنیمت جان کے

....

(61) یوسف 36

(62) یوسف 36

(63) ایضاً

دعوت پیش کی اور جامع الفاظ میں انہیں بتایا کہ حقیقی دین کیا ہے۔ اپنی گفتگو کے آخر میں آپؑ نے سوالیہ انداز میں فرمایا:

یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

''اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟'' (64)

مَا تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِهٖٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ أَنْتُمْ وَآبَآؤُکُم مَّآ أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ

''اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کیلئے کوئی سند نازل نہیں کی'' (65)

پھر اس حقیقت کو واضح کیا کہ ''ربنا اللہ'' کا تقاضا کیا ہے؟:

إِنِ الْحُکْمُ إِلَّا لِلّٰهِ

''فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں (66)

أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوْآ إِلَّآ إِیَّاهُ

''اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو'' (67)

ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

''یہی ٹھیٹھ سیدھا طریقِ زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں'' (68)

زندگی بسر کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اللہ وحدہ کی بندگی کریں، صرف اس کو معبود مانیں، صرف اس کے احکامات کی اطاعت کریں کہ وہی احکامات کا سرچشمہ ہے۔ اگر ہم ''ربنا اللہ'' کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمیں یہ بات لازماً کہنا پڑے گی کہ اس اللہ کے سوا

(64) یوسف 39

(65) یوسف 40

(68،67،66) یوسف 40

کوئی معبود نہیں ۔ ہماری پوری کی پوری زندگی اللہ کے احکامات کے تحت ہونی چاہئے کہ فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں۔

''ربنا اللہ'' کہنے کے ان واقعات میں جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ہمارا پالنے والا ہے، ہماری نگہداشت کرنے والا، ہماری ضروریات مہیا کرنے والا اور وہی ہم کو ہدایت بھی دینے والا ہے۔

دوسری چیز یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ بنایا جائے۔ ہم حکم لیں گے تو صرف اللہ سے لیں گے، اسی کا حکم ہے کہ میرے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، ہم اپنی پوری زندگی میں اللہ کی بندگی کریں گے۔ ہم یہ نہیں کریں گے کہ اپنی زندگی کو گوشوں میں بانٹیں اور پھر کہیں کہ یہ گوشہ اللہ کیلئے ہے اور یہ گوشہ اللہ کی بندگی سے باہر ہوگا بلکہ ہمیں اپنے پورے 24 گھنٹے کی زندگی میں اللہ کی بندگی کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈالنا ہوگا۔ اگر ہم یہ انداز اختیار کرتے ہیں تو پھر ہم زبان سے جو ''ربنا اللہ'' کہیں گے درحقیقت وہ چیز ہمارے دل کے اندر راسخ ہوگی۔ اگر ہم یہ انداز اختیار نہیں کرتے تو پھر ہم زبان سے ہزار بار بھی ''ربنا اللہ'' کہتے رہیں اور یہ بھی کہتے رہیں کہ ''لا الہ الا اللہ'' اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زبردست بشارت دی اور بڑا وعدہ فرمایا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہا ہے، اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ ملائکہ تم پر نازل ہوں گے۔ وہ تم کو جنت کی بشارتیں دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ نہ تمہیں کوئی رنج ہے نہ خوف ۔ اُس جنت کی بشارتیں دیں گے جس میں جو کچھ تم چاہو گے، جسکا اظہار کرو گے اور جس بات کی خواہش کرو گے وہ سب کچھ تمہارے لئے ہوگی۔ اس بات کی بھی وضاحت کردی گئی کہ یہ اکرام محض شروع کی ضیافت ہے جو اللہ کی طرف سے ہوگی۔

یہ سارے وعدے ان لوگوں سے کئے گئے جنہوں نے کہا کہ رَبُّنَا اللّٰهُ یعنی اللہ ہمارا رب ہے اور ثُمَّ اسْتَقَامُوا ''پھر وہ اس پر جم گئے''

ان دو الفاظ میں کتنی عزیمت چھپی ہوئی ہے، اس کے متعلق بحث ہو رہی ہے اور میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید سے رَبُّنَا اللّٰہ کے سلسلے میں چند واقعات پیش کئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کو ہی اپنا معبود مانیں اور اس کے سوا سارے معبودوں کی نفی کریں۔ دوسرا یہ کہ ہم نہ صرف ان چیزوں کو بجا لائیں جن کو عام معنوں میں عبادت کہا جاتا ہے۔ ان مراسم عبودیت کو صرف اس لئے نہ ادا کیا جائے کیونکہ ہم اللہ کو اپنا معبود مانتے ہیں بلکہ ہمیں اس بات کا بھی احساس ہونا چاہئے کہ:

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ(69)

یعنی فیصلے کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ یہ سارے احکامات اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور ہمیں اپنی پوری زندگی کو اللہ ہی کی بندگی میں دینا ہے۔ دراصل یہ رَبُّنَا اللّٰہُ کے معنی ہیں جس پر گفتگو پچھلے صفحات میں کر آئے ہیں۔

استقامت کیا ہے:

رَبُّنَا اللّٰہُ کے بعد اس کا دوسرا حصہ **ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا** ہے۔ یہ استقامت کیا چیز ہے؟ اسکا اندازہ نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سے کیجئے!

رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی ہیں جن کا نام حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ ہے(70)۔ انہوں نے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ میں اس پر عمل کروں مگر وہ بات مختصر اور جامع ہو، ان

---

(69) الانعام 57، یوسف 40 اور 67۔

(70) حضرت سفیان بن عبداللہ بن ربیعہ ثقفیؓ، طائف کے قبیلے بنی ثقیف سے تعلق رکھتے تھے، طائف سے آنے والے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ ایک مرسل روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے آپؓ کو طائف کا عامل مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں طائف میں صدقات کے نگران رہے۔ (مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے: "الاصابة فی تمییز الصحابه"، از احمد بن علی العسقلانی، صحابی نمبر 3317، جلد 3، صفحہ 124) نیز آپؓ سے 5 احادیث مروی ہیں۔

کے الفاظ ہیں:

''مُرْنِی بِاَمْرٍ فِیْ الْاِسْلَامِ ، لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا غَیْرَکَ''

''مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ ﷺ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ''

''کہو: میں اللہ پر ایمان لے آیا اور پھر اس پر جم جاؤ'' (71)

استقامت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک میں سفیدی آ گئی ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے''

سورہ ہود کی آیت 112 میں اللہ کے رسول ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ

''پس (اے محمد ﷺ) تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے'' اس ذمہ داری کا اتنا احساس تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''(اس بارنے) مجھے بوڑھا کر دیا ہے'' (72)

---

(71) تخریج الکشاف، از زیلعی، 3/230، محدث نے اسے صحیح کہا ہے، نیز دیگر متعدد طرق سے بھی یہ حدیث آئی ہے۔ دیکھئے: ترغیب و ترہیب 4/21، صحیح الجامع، از علامہ البانی، 4395 اور امام مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھئے: صحیح مسلم 38۔

(72) مذکورہ آیت کی تفسیر میں دیکھئے: تفسیر مفاتیح الغیب از امام رازیؒ، الجامع لاحکام القرآن از امام قرطبیؒ و دیگر۔ مذکورہ روایت اس طرح ہے کہ: **قال ابوبکر للنبی ﷺ : ماشیبک ؟ قال شیبتنی ھود**

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو کس چیز نے بوڑھا کر دیا ہے؟'' فرمایا ''مجھے (سورہ) ہود نے بوڑھا کر دیا ہے'' العلل ابن ابی حاتم 3/117، حدیث کے راوی عبداللہ بن عباسؓ ہیں، محدث کا کہنا کہ یہ حدیث مرسل اصح ہے جبکہ اسی سے ملتی جلتی دیگر روایات ترمذی 3297، بزار 1/169، دارقطنی 3/362 و دیگر میں وارد ہیں اور سب پر علمائے حدیث نے کلام کیا ہے۔

فرمایا کہ جو مجھے استقامت کا حکم دیا گیا ہے، اس کو سوچ سوچ کر میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ بخشے بخشائے ہیں مگر استقامت کیلئے سوچ سوچ کر آپ ﷺ پر بڑھاپا طاری ہوگیا ہے۔

استقامت اتنا اہم مضمون ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت نے اس کے معانی بیان کئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس لفظ ''استقامت'' کی کیا اہمیت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے استقامت اختیار کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

لَمْ يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا ، لَمْ يَلْتَفِتُوْا اِلَىٰ اِلٰهٍ غَيْرُهُ

''پھر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا، اس کے سوا کسی دوسرے معبود کی طرف توجہ نہ کی'' (73)

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر حم سجدہ کی مذکورہ آیت تلاوت کی اور فرمایا:

''اِسْتَقَامُوا عَلَىٰ طَاعَتِهٖ وَلَمْ يَرُوْغُوْا رَوَغَانَ الثَّعَالِب''

''استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوگئے، لومڑیوں کی طرح اُدھر سے اِدھر اور اِدھر سے اُدھر دوڑتے نہ پھرے'' (74)

حضرت عثمان غنیؓ نے اس کے معنی یہ بیان کئے کہ:

''اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ''

''اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کرلیا'' (75)

استقامت کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

'' اَدُّوْا الْفَرَائِضَ وَالنَّوَافِلَ ''

(73) مذکورہ آیت کی تفسیر میں دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن، از امام قرطبیؒ، جامع البیان فی تفسیر القرآن، از امام طبری، مفاتیح الغیب، از امام رازیؒ۔

(74) آیت مذکورہ کی تفسیر میں دیکھئے: جامع البیان فی تفسیر القرآن، از امام طبریؒ، الجامع لاحکام القرآن، از قرطبیؒ۔

(75) آیت مذکورہ کی تفسیر میں دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن، از قرطبیؒ۔

''اللہ کے عائد کردہ فرائض اور نوافل فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرتے رہے'' (76)

استقامت کی مثالیں:

صحابہ کرامؓ کے مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں معلوم ہوا کہ استقامت عظیم موضوع ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت، آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے واقعات اور اس کے بعد پوری اسلامی تاریخ میں چلتے چلے آئیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پوری اسلامی تاریخ استقامت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ پہلے میں نے سوچا کہ آپ ﷺ کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کی زندگی سے استقامت کے چند واقعات آپ کے سامنے رکھوں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں شیطان وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ تو اللہ کے رسول ﷺ تھے اور صحابہ کرامؓ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا تو اگر آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے استقامت کا مظاہرہ نہ کیا تو اور کون کرے گا؟ شیطان ہمارے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ہم کہاں اس درجے کو پہنچ سکتے ہیں چنانچہ میں آپ کے سامنے جو واقعات بیان کر رہا ہوں، یہ نہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ہیں اور نہ آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی زندگی سے بلکہ میں آپ کے سامنے دو واقعات ائمہ کرامؒ کی سیرت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک امام مالکؒ کا واقعہ اور دوسرا امام احمد ابن حنبلؒ کا۔ اس کے بعد میں آپ کے سامنے موجودہ زمانے سے تعلق رکھنے والے دو واقعات رکھوں گا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ائمہ تو پھر بھی ائمہ ہیں لہٰذا موجودہ دور کی بھی دو مثالیں آپ کے سامنے رکھی جائیں گی۔

امام مالکؒ کا وہ مشہور واقعہ کہ جب طلاق کے مسئلے پر والی نے آپؒ کو مجبور کیا کہ حق بات کے خلاف فتویٰ دیں اور آپؒ نے اس سے انکار کر دیا تو والی نے آپؒ کے ساتھ جو

(76) جامع البیان فی تفسیر القرآن، از امام طبریؒ اور روح المعانی، از علامہ آلوسیؒ۔

سلوک کیا وہ آپ کے علم میں ہے۔ والی نے آپ کو اتنی سخت سزا دی کہ آپؒ کے دونوں شانے (مونڈھے) اتر گئے، آپؒ کے منہ کو کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھمایا گیا۔ اس حالت میں بھی وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ "اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں مالک بن انس ہوں(77) اور اگر تم نہیں جانتے تو جان لو کہ میں مالک بن انس ہوں اور میرا یہ فتویٰ ہے اور میرا یہ موقف ہے" اپنے موقف کا وہ اس حال میں بھی اظہار کرتے تھے۔(78)

فتنہ خلق قرآن:

دوسرا واقعہ امام احمد بن حنبلؒ(79) کا ہے۔ آپؒ کے دور میں ایک فتنہ بپا ہوا جسے "فتنہ خلق قرآن" کہا جاتا ہے۔ خلیفہ وقت نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ آپ کہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ آپؒ نے اس سے انکار کیا تو آپؒ کو نہ صرف قید کیا گیا بلکہ آپ کو کوڑے بھی مارے گئے۔ روایت میں آتا ہے کہ آپؒ کو 40 کوڑے مارے گئے(80)، ایک کوڑا ایسا تھا کہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہاتھی کو پڑ جائے تو وہ بھی چلا اٹھے مگر آپؒ استقامت کا

---

(77) امام مالک بن انسؒ، امام دار الہجرہ، آپ شیخ الاسلام اور حجت امت تھے۔ آپؒ نے "الموطأ" نامی عظیم کتاب تصنیف کی۔ فقہ مالکی آپ کی طرف منسوب ہے۔ آپؒ کی ولادت 93ھ اور وفات 179ھ میں ہوئی۔ (دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبی، جلد 8، ترجمہ مالک الامام)

(78) 146ھ میں جعفر بن سلیمان نامی شخص مدینہ منورہ کا والی تھا، اس نے طلاق کے مسئلے پر امام صاحب کے ساتھ اختلاف کیا۔ آپؒ کا موقف تھا کہ اکراہ کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اس قیاس پر عوام الناس نے اکراہ کی بیعت کو فاسد قرار دیا۔ امام صاحبؒ سے یہ رائے واپس لینے کیلئے جبر کیا گیا اور آپ کو کوڑے مارے گئے مگر آپؒ اپنے موقف سے نہیں ہٹے۔ (دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبی، جلد 8، ترجمہ مالک الامام نیز پورا واقعہ علامہ ابو نعیمؒ نے "حلیۃ الاولیاء" میں ذکر کیا ہے۔ واضح رہے کہ امام مالکؒ کو کوڑے مارنے کے اسباب اور اس واقعے کی دیگر تفصیلات میں اہل علم میں اختلاف ہے۔

(79) ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبلؒ، شیخ الاسلام اور اپنے وقت کے عظیم امام، فقہ حنبلی آپؒ کی طرف منسوب ہے۔ آپ 164ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور 241ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ نے "المسند" نامی عظیم کتاب تصنیف کی جس میں رسول اکرم ﷺ کی 40 ہزار حدیثیں جمع کی گئیں۔ اس کتاب کی سیکڑوں شروحات کی گئیں۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: طبقات، از علامہ ابن سعد 7/354، حلیۃ الاولیاء، از علامہ ابو نعیمؒ 9/161، سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبیؒ 11/177 ودیگر)

(80) تاریخ کی کتابوں میں کوڑوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔

مظاہرہ کرتے ہوئے آخر وقت تک اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ جب آپؒ بستر مرگ پر تھے تو آپؒ کی زبان پر بار بار یہ الفاظ آیا کرتے تھے کہ:

''یا اللہ! ہیثم کی مغفرت کردے''

ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ میں نے ابا جان کی زبان سے جب یہ نام سنا تو میں نے کہا کہ یہ ہیثم کون ہے؟ کیونکہ اس نام کا کوئی شخص نہیں تھا جنہیں ابا جان جانتے ہوں، پھر میں نے پوچھا:

''ابا جان! یہ ہیثم کون ہے جس کی مغفرت کے لئے آپ اس حال میں بھی دعا کر رہے ہیں''

آپؒ نے فرمایا:

''بیٹے! ہیثم کا واقعہ یہ ہے کہ فتنہ خلق قرآن (81) کے زمانے میں خلیفہ نے مجھ پر ظلم کیا اور مجھے کوڑے مارے تو ایک دن، میں کوڑے کھا کر تکلیف کے مارے کراہ رہا تھا۔ جیل میں میرے ساتھ ایک ڈاکو بھی قید تھا جس کا نام ہیثم تھا۔ جب میں بہت کراہا تو اس ہیثم ڈاکو نے مجھ سے کہا:

....

(81) ''خلق قرآن'' معتزلہ کا گھڑا ہوا فتنہ ہے۔ اس گمراہ فرقے نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفت کی نفی کی اور قرآن کو مخلوق قرار دیا۔ خلیفہ مامون کے دور میں ان کی جمعیت ہوئی اور وہ کسی نہ کسی طرح مامون کو بھی اپنے نظریات سے متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئے یہاں تک کہ اس فرقے کے افراد خلیفہ مامون کے مقربین اور حکومتی عہدے دار بن گئے۔ 212ھ میں مامون کی زیر نگرانی خلق قرآن کا نظریہ عام افراد میں رائج کیا جانے لگا تاہم اسے مقبولیت نہیں ہوئی تو 218ھ میں مامون نے اس نظریہ کو جبراً رائج کرنا چاہا۔ اس نے امام احمدؒ سمیت دیگر علماء کو گرفتار کیا اور ان میں سے جس نے خلق قرآن کا نظریہ اپنایا تو اسے رہا کردیا۔ اس دوران مامون کا انتقال ہوگیا تو اس کا بھائی معتصم جاں نشین ہوا، اس نے بھی اپنے بھائی کے نظریات کو اپنا لیا۔ امام احمدؒ کو اسی کے دور میں قید کیا گیا اور کوڑے مارے گئے۔ خلیفہ معتصم آپؒ سے کہتے کہ صرف ایک مرتبہ اپنی زبان سے کہہ دیں کہ قرآن مخلوق ہے تو میں آپؒ کو عزت و اکرام کے ساتھ رہا کردوں گا تو امام صاحبؒ کہتے ''مجھے قرآن وسنت سے دلیل پیش کرو'' بعد ازاں واثق معتصم کا جاں نشین ہوا تو اس نے امام صاحبؒ کو اپنے گھر میں نظر بند کردیا۔ آپ 5 سال تک جمعہ، جماعت اور درس و تدریس سے محروم کردیئے گئے۔ آپؒ نے 14 سال شدید امتحان اور کرب وبلا میں گزارے تھے مگر آپؒ کے پایہ استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ (طبقات، از علامہ ابن سعد، حلیۃ الاولیاء، از علامہ ابو نعیم و دیگر)

''احمدؒ! آپؒ کو تکلیف ہو رہی ہے؟

میں نے کہا:

''ہاں بہت تکلیف ہو رہی ہے''

اس نے کہا کہ:

''احمدؒ! کیا آپؒ کو یقین ہے کہ جو موقف آپؒ نے اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے؟ کیا آپؒ واقعی حق پر ہیں؟''

میں نے کہا:

''اگر میں حق پر نہ ہوتا تو اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی''

وہ کہنے لگا:

''احمدؒ! اگر آپؒ حق پر ہیں تو پھر اس میں کراہنے کی کیا بات ہے''

یہ کہہ کر اس نے اپنا کرتا اٹھایا اور اپنی پیٹھ دکھاتے ہوئے کہا:

''میری پیٹھ دیکھو''

اس کی پیٹھ دیکھی تو کوڑوں سے ادھڑی ہوئی تھی۔

اس نے کہا:

''احمد یہ کوڑے مجھے اس لئے پڑتے ہیں کہ میں ڈکیتیاں ڈالتا ہوں، اگر میں ڈکیتی اور چوری کی خاطر کوڑے کھاتا ہوں پھر بھی ڈکیتیاں ڈالتا ہوں تو کیا آپؒ حق کی خاطر کوڑے نہیں کھا سکتے؟''

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ:

''اس ڈاکو نے مجھے استقامت کا وہ سبق دیا جسے میں کبھی بھول نہیں سکتا'' (82)

ائمہ کرامؒ کی زندگی سے استقامت کے دو واقعات اوپر بیان کئے جا چکے ہیں مگر جیسا

---

(82) اس واقعے کا حوالہ نہیں مل سکا۔

کہ میں نے عرض کیا کہ شیطان ہمارے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ وہ تو بحر حال امام تھے۔موجودہ دور سے مثال دی جائے کہ ہمارے زمانے میں کسی نے استقامت کا مظاہرہ کیا؟ تو موجودہ دور کے بھی 2 واقعات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

مولانا مودودیؒ کی استقامت:

ایک واقعہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (83) کا پیش کرتا ہوں، وہ میری اور آپ کی یادداشت کا واقعہ ہے کہ 1953ء میں جب قادیانیوں نے خلاف تحریک چلانے کے ''جرم'' میں حکومت وقت نے سزائے موت کا فیصلہ سنایا (84) تو مولانا مودودیؒ کو اس کال کوٹھڑی میں جہاں سزائے موت کے قیدیوں کو لے جایا جاتا تھا، لے جایا گیا۔آپؒ کو خصوصی کپڑے بھی پہنا دیئے گئے تھے۔پھر ساری دنیا میں شور مچا تو حاکم وقت نے کہا کہ ہم معاف کردیں گے، شرط صرف یہ ہے کہ مولانا خود معافی نامہ لکھ کر دے دیں۔ان کے بیٹوں نے سوچا کہ یہ تو بہت آسان بات ہے، کوئی مسئلہ ہی نہیں۔وہ یہ شرط لے کر مولاناؒ کے پاس جیل پہنچے اور کہا کہ ابا جان یہ شرط ہے۔آپ معافی نامہ لکھ دیجئے، آپ کو معاف کردیا جائے گا۔

اب آپؒ کا جواب سنئے، انہوں نے کہا:

---

(83) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 25 دسمبر 1903ء کو اورنگ آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔دنیا کو پیش آمدہ ظلمت سے بچانے اور اسلام کی نعمت سے بہرور کرنے کیلئے مولانا مودودیؒ نے 25 اگست 1941ء کو لاہور میں 75 افراد پر مشتمل ایک اجلاس منعقد کیا اور جماعت اسلامی کی تشکیل کی۔اس اجتماع میں اتفاق رائے سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو امیر جماعت منتخب کیا گیا۔آپؒ نے ''تفہیم القرآن'' کے علاوہ سیکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔آپؒ کو 1979ء میں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا۔

(84) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ''فتنہ قادیانیت'' کو واضح کرنے کیلئے کتاب ''مسئلہ قادیانیت'' لکھی۔اسی دوران پنجاب میں مارشل لا نافذ کردیا گیا اور اور اس کتاب کو بہانہ بنا کر مولانا مودودیؒ کو گرفتار کیا گیا، بعد ازاں 11 مئی 1953ء کو مارشل لا عدالت نے آپؒ کو پھانسی کی سزا سنائی۔مولانا مودودیؒ کو سزائے موت کے اعلان نے پورے عالم اسلام میں کہرام مچادیا، اندرون وبیرون ملک شدید احتجاج اور مظاہرے ہونے لگے۔یہ دیکھ کر حکومت نے سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا، بعد ازاں 29 اپریل 1955ء کو رہا کیا گیا۔

”زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں۔ اگر وہاں میری موت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکتی اور اگر وہاں میری موت کا فیصلہ نہیں ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی“

آپؒ نے معافی نامہ لکھنے سے انکار کر دیا۔ بعد میں جیلر کا بیان شائع ہوا کہ مولاناؒ اس رات ایسے سوئے جیسے کہ کوئی بچہ آرام کی نیند سویا کرتا ہے۔(85)

استقامت کا دوسرا واقعہ سید قطب شہیدؒ(86) کا ہے جن کو پھانسی دی گئی اور وہ اس لئے کہ آپؒ اللہ کی دین کی خاطر ڈٹ گئے اور جم گئے تھے۔ جب آپؒ کو پھانسی کے لئے لے جایا رہا تھا تو سرکاری مولویوں نے آپؒ سے کہا کہ: آپ کو پھانسی دی جا رہی ہے، کلمہ پڑھ لیجئے۔ سید قطب شہیدؒ مسکرائے اور کہنے لگے:

”کلمہ پڑھنے کی ہی تو سزا دی جا رہی ہے“

یہ کہتے ہوئے سید قطبؒ شہادت کا جام نوش فرما گئے۔(87)

یہ استقامت کی چند مثالیں ہیں۔ ایسا نہیں کہ تاریخ میں کوئی وقت اس سے خالی رہا ہو۔ آج بھی نہ جانے کتنے گم نام لوگ موجود ہیں جن کا مجھے اور آپ کو پتا بھی نہیں اور وہ استقامت کی مثالیں صبح و شام پیش کر رہے ہیں۔ قرآن انہی لوگوں کا ذکر کر رہا

....

(85) واقعے کی تفصیل کیلئے دیکھئے: مشاہدات، از میاں طفیل محمدؒ، ص222 تا232۔

(86) سید قطب شہیدؒ، عظیم مفکر اور ”فی ظلال القرآن“ جیسی معرکۃ الآراء تفسیر کے مصنف۔ آپ 9 اکتوبر 1906ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ عرب خطے میں اسلامی تحریکوں کے فکری رہنما ہیں۔

(87) سید قطب شہیدؒ کو 9 اگست 1965ء کو گرفتار کیا گیا اور فوجی عدالت نے آپؒ کو پھانسی کی سزا سنائی۔ آپؒ سے کہا گیا کہ آپؒ معافی نامہ لکھ کر دیں تو فرمایا ”اللہ کے دین کا کام کرنے پر کیسی معافی“ کہا گیا کہ حاکم وقت سے رحم کی اپیل کریں تو فرمایا ”اگر مجھے حق کی بنا پر پھانسی دی جا رہی ہے تو حق مجھے قبول ہے اور اگر باطل کی بنیاد پر مجھے سزا دی جا رہی ہے تو باطل سے رحم کی اپیل کیسی“ آپؒ نے فرمایا ”جو انگلی نماز کے وقت اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے کیلئے اٹھتی ہے اس سے (یعنی ہاتھ) طاغوت سے رحم کی اپیل لکھی نہیں جائے گی“ آپؒ کو بروز پیر 29 اگست 1966 کو فجر کے بعد پھانسی دی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھئے: عملاق الفکر الاسلامی، سید قطب، از ڈاکٹر عبداللہ عزام۔

ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ ربنا اللہ اور پھر اس پر ڈٹ گئے اور آخری وقت تک اس پر قائم رہے۔

چوٹی کی بات:

آگے فرمایا:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ

''اس سے بہتر بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف دعوت دی''

وَعَمِلَ صَالِحاً

''اور نیک کام کیا''

وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

''اور یہ کہا کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں''

یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ اکثر اوقات قرآن چوٹی کی بات کرتا ہے اور اس چوٹی کی بات تلے جتنے اور موضوعات آسکتے ہیں وہ خودبخود اس کے معانی میں شامل ہوجاتے ہیں۔ یہی انداز قرآن نے یہاں اختیار کیا ہے کہ جب ربنا اللہ اور استقامت کی بات ہوگی تو یوں تو اس میں بہت سی چیزیں شامل ہوسکتی تھیں۔ اس میں ہر قسم کی عبادت آجائے گی ،اس میں ہر قسم کے معاملات آجائیں گے، اس میں ہر قسم کی نیکی کا عمل آجائے گا مگر قرآن نے یہاں چوٹی کی بات کی ہے،وہ یہ کہ ربنا اللّٰہ اور استقاموا کا سب سے اعلیٰ ترین مظہر اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ

''اور اس سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو اللہ کے دین کی طرف دعوت دے'' اس آیت میں تین باتیں ہیں:

1) اللہ کے دین کی دعوت دو۔

2) نیکی کا کام کرو۔

3) اور کہو کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

یہ بھی دیکھئے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کے ضمن میں دعوت الی اللہ کیوں چوٹی کا کام ہے۔ یوں تو یہ بھی مضمون بہت وسیع ہے مگر میں آپ کے سامنے بہت مختصراً اس کے لئے تین دلیلیں پیش کرر ہا ہوں اس امید اور دعا کے ساتھ کہ اے کاش یہ بات میرے اور آپ کے ذہن میں بس جائے کہ درحقیقت کرنے کا کام یہی ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت دی جائے۔

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ ختم نبوت کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ اللہ کے دین کی دعوت دیں۔ ختم نبوت کے کیا معنی ہیں؟ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ ختم کردیا ہے۔ اللہ کی طرف سے اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا جو پیغام آخری نبی ﷺ کو دیا ہے وہ مکمل پیغام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا ہے'' (88)

اور اس پیغام کو اللہ نے محفوظ بھی کردیا، وہ کبھی ضائع نہیں ہوگا، یہ تا قیامت موجود رہے گا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ

''یہ ذکر ہم نے نازل کیا اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں'' (89)

یہ ختم نبوت کا ایک صریح نتیجہ ہے جو ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید ہی سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چونکہ انبیائے کرامؑ کے ہمیشہ دو کردار رہے، ایک اللہ کی طرف سے اس پیغام کو وصول کرنا اور دوسرے اس پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا۔ ختم

....

(88) المائدہ 3

(89) الحجر 9

نبوت سے پہلا حصہ ختم ہوا مگر دوسرا حصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ ذمہ داری کہ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو پہنچاؤ اللہ تعالیٰ نے اب اس امت کے کاندھوں پر ڈال دی اور فرمادیا کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ''امت وسط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو'' (90)

ایک اور جگہ فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (91)

قرآن مجید جگہ جگہ اس بات کی وضاحت کررہا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے کام کا یہ جو دوسرا حصہ ہے، اللہ کے دین کی اشاعت، یہ اب ذمہ داری بن گئی ہے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے افراد کی، اب یہ بوجھ ان کے کاندھوں پر آ گیا ہے تو قرآن مجید سے دعوت الی اللہ کی پہلی دلیل یہی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دینا چاہیں جو ہمارا فریضہ عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقصد حیات کا یہی بیان فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن

''میں نے جن وانس کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں'' (92)

---

(90) البقرہ 143

(91) آل عمران 110

(92) الذاریات 56

اگر ہم اپنے آپ کو اللہ کی مکمل بندگی میں دینا چاہیں، وہ بندگی جس کا منبع اور سرچشمہ ارشادربانی ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ

''فیصلے کا اختیار صرف اللہ کو ہے'' (93)

اللہ کے احکامات آپ کی ساری زندگی میں جاری وساری ہوں گے اور یہ بندگی 24 گھنٹے کی ہوگی، یہ نہیں کہ ایک خاص گوشے میں اللہ کی بندگی ہے اور باقی گوشے اللہ کی بندگی سے آزاد ہیں۔ اگر ہم اس انداز میں اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دینا چاہیں تو اس کا لامحالہ تقاضہ یہ ہے کہ ہمیں دعوتِ دین دینا ہوگی۔

اس کا آپس میں کیا ربط ہے؟ اس کا ربط یہ ہے کہ آپ اللہ کی بندگی میں اپنے آپ کو نہیں دے سکتے جب تک وہ پورا معاشرہ اور نظام جس میں آپ زندگی بسر کررہے ہیں وہ اللہ کی بندگی میں نہ ہو۔ ہمارے لئے یہ بات سمجھنا بہت آسان ہے کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج بدقسمتی سے ہمیں اس سرزمین پر ایک جگہ بھی ایسی میسر نہیں جہاں ہم یہ کہہ سکیں کہ معاشرہ و نظام پورے کا پورا اللہ کی بندگی میں ہے۔ کہیں ہمیں سود کا مسئلہ نظر آتا ہے تو کہیں تعلیم کا مسئلہ ہے، کہیں ہمیں پردے کا مسئلہ نظر آتا ہے تو کہیں اور مسائل ہیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں نہیں دے سکتے۔ یہ سوال جو آپ کے ذہن میں بار بار آج اٹھتا ہے کہ میں کیا کروں؟ میں اپنے آپ کو سود سے کیسے بچاؤں؟ حقیقت یہ ہے کہ شاید وہ زمانہ آن لگا ہے جس کے لئے نبی اکرم ﷺ نے پیشنگوئی فرمائی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا میں کوئی شخص سود کے دھوئیں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ کتنا ہی وہ اپنے آپ کو اس سے پاک رکھنے کی کوشش کرے، وہ سود کا دھواں یقیناً اس کی ناک میں ضرور جائے گا'' میں سمجھتا ہوں کہ وہ زمانہ شاید آ لگا ہے کہ ہم ہزار کوشش

---

(93) الانعام 57، یوسف 40 اور 67

کریں مگر اس لعنت سے بچنے میں بعض اوقات ناکام ہوجاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کی بندگی کا نظام روئے زمین پر کہیں قائم نہیں (94)۔

پتہ یہ چلا کہ اگر کوئی انسان اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں مکمل طور پر دینا چاہے تو اس کے لئے اور کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کی بندگی کا نظام حقیقتاً وفعلاً روئے زمین پر نافذ کیا جائے۔ یہ نظام اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک اس کے لئے بڑا گروہ تیار نہ ہوجائے۔ وہ اس کو ذہنی طور پر قبول کرلے اور اس کے لئے آمادہ ہوجائے کہ واقعتاً اللہ ہی کا دین نافذ ہونا چاہئے اور پھر اس کو نافذ کرنے کی جدوجہد میں شامل ہوجائے۔ یہ کثیر افراد کا گروہ کیسے تیار ہوگا؟ یہ ڈنڈے کے زور سے قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ تلوار کے زور سے بھی قائم نہیں ہوگا۔ ہمارا دین تلوار کی زور سے قائم نہیں ہوا۔ صرف ایک طریقہ ہے کہ آپ کو اللہ کے بندوں کو اس دین کی دعوت دینا ہوگی۔ ان کے ذہنوں کو صاف کرنا ہوگا۔ جب وہ سمجھ جائیں گے اور اس بات پر ڈٹ جائیں گے کہ ہاں کرنے کا یہی کام ہے اور ایک کثیر گروہ اس کام کے لئے تیار ہوجائے گا تو تبھی اللہ کا دین فعلاً اور عملاً نافذ ہوسکے گا، تو جن وانس کی پیدائش کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوسکتا جب تک آپ اللہ کے دین کی دعوت نہ دیں۔ یہ دوسری دلیل ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت کیوں دی جائے؟

اس کی تیسری دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

" وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِہٖ ، لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ "

"قسم ہے اس ہستی کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی

---

(94) اصل حدیث یوں ہے:

"لیأتین علی الناس زمان لایبقی احد الا اکل الربا فان لم یأکلہ اصابہ من بخارہ"

"لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی سود کھانے سے محفوظ نہیں رہے گا، جو محفوظ رہے گا اسے سود کا دھواں ضرور لگے گا"

سنن ابوداؤد 3331 بروایت حضرت ابوہریرہؓ، محدث نے اس کی صحت بیان کرنے سے خاموشی اختیار کی اور ایک مقام پر فرمایا "جس سے خاموشی اختیار کی جائے وہ صحیح ہے"

شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے'' (95)

ہمارا ایمان ہی مکمل نہیں ہوگا جب تک ہم اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ نہ چاہیں جو اپنے لئے چاہتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میری آنکھ کھل گئی ہو، مجھے صراط مستقیم نظر آ رہا ہو، میں تو صراط مستقیم پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور میرے لاتعداد نادان بھائی اس صراط مستقیم سے گمراہ ہوں، وہ اس کا علم نہ رکھتے ہوں اور وہ پگڈنڈیوں پر چلے جا رہے ہوں اور بھٹک رہے ہوں اور میں ان کو اللہ کی دین کی دعوت نہ دوں اور ان کو نہ بتاؤں کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور نجات کی راہ کس طرف ہے۔ اگر ہم اپنے بھائی کی بھلائی چاہتے ہیں تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اسے سیدھے راستے کی طرف کھینچ کر لائیں۔

یہ تین وہ دلیلیں ہیں ماسواء اور دلائل کے جو ہمارے سامنے آتی ہیں کہ ہم کیوں اللہ کے دین کی دعوت دیں۔

فرض عین یا فرض کفایہ؟:

بدقسمتی یہ ہے کہ اگر آپ دعوت الی اللہ کے بارے میں کسی سے پوچھنے جائیں تو بعض اوقات آپ کو جواب ملتا ہے کہ یہ فرض عین نہیں رہا، دعوت دین تو فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ اس کام کو کر رہے ہیں تو باقی پر ساقط ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں یہ فرض کفایہ اس وقت تھا جب اللہ کے دین کی دعوت اس انداز سے دی جا رہی تھی کہ ہر شخص تک یہ پیغام پہنچ رہا تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی قلیل تعداد کو اللہ کے دین کی دعوت پہنچ رہی ہے اور کثیر تعداد اس روشنی سے محروم ہے تو ایسی صورت میں ہر شخص کا فرض عین بن جاتا ہے کہ وہ اللہ

(95) سنن ترمذی 2515، بروایت حضرت انس بن مالکؓ، محدث نے اسے صحیح کہا ہے۔ نیز اس سے ملتی جلتی دیگر حدیثوں کیلئے دیکھئے: بخاری 13، مسلم 45، عمدۃ القاری 11/279، صحیح الجامع 7085، نسائی 5032، ابن ماجہ 55 و دیگر۔

کے دین کی دعوت دے۔یہی بات قرآن مجید میں اس مقام پر ارشاد ہوئی ہے۔

دعوت کیلئے شرائط:

اب یہ کہہ کر کہ بہترین عمل اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے، قرآن مجید اس کے ساتھ دو شرطیں بھی لگا رہا ہے، ایک شرط یہ ہے کہ:

وَعَمِلَ صَالِحاً

''اور نیک عمل کیا''

یہ ممکن نہیں کہ آپ دوسروں کو تو اللہ کے دین کی دعوت دیں اور اپنے آپ کو بھول جائیں۔آپ جو چاہیں کرتے پھریں، آپ خطیب ہیں، آپ واعظ ہیں، آپ بہت عمدہ وعظ کہہ رہے ہیں اور دوسروں کو بتارہے ہیں تو اس پر سب سے پہلے آپ عمل کرنے والے بنیں۔قرآن اس بات کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا:

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

''کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو'' (96)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں'' (97)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قول نقل ہوا:

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلَىٰ مَا اَنْهَاكُمْ عَنْهُ

''اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ، ان کا خود ارتکاب کروں'' (98)

یعنی میں تمہیں کسی چیز سے روکوں اور خود اسی چیز کے پیچھے چل پڑوں، یہ نہیں ہوسکتا۔

---

(96) البقرہ 44

(97) الصف 2

(98) ہود 88

اگر میں تمہیں کسی چیز سے روک رہا ہوں تو میں خود اس سے رکا ہوا ہوں گا۔ میرے قول اور فعل میں حتی الامکان یکسانیت پائی جانی چاہئے، تضاد نہیں ہونا چاہئے۔

اگر ایسا ہے کہ داعی کے قول و عمل میں تضاد ہے تو پھر اس پر تو سخت وعید آئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

" يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَىٰ فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ ، فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ وَيَقُولُونَ: اَيْ فُلَانًا مَاشَأْنُكَ ، اَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ : كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيْهِ وَاَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيْهِ "

" ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائے گا اور آگ میں پھینک دیا جائے گا تو اس کی انتڑیاں آگ میں نکل پڑیں گی، پھر اسے آگ میں اس طرح لئے پھرے گا جیسے گدھا اپنی چکی میں پھرتا ہے تو دوسرے جہنمی لوگ اس کے پاس اکٹھے ہوں گے اور پوچھیں گے، اے فلاں یہ تیرا کیا حال ہے؟ کیا تم دنیا میں ہم کو نیکیوں کی تلقین نہیں کرتے تھے اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ (ایسے نیکی کے کام کرنے کے باوجود تم یہاں کیسے آگئے) وہ شخص کہے گا کہ: میں تمہیں تو نیکیوں کی تلقین کرتا تھا اور خود اس کے قریب نہیں جاتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا پر خود کرتا تھا" (99)

ایک اور جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

" رَأَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ رِجَالاً تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ ، قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ ، قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءِ مِنْ اُمَّتِكَ ، يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ "

" میں نے اپنی معراج کی رات کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے کہا: یہ آپ کی امت کے مقررین ہیں، یہ لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور

---

(99) صحیح بخاری 3267، بروایت حضرت اسامہ بن زیدؓ، حدیث صحیح نیز دیکھئے: صحیح الترغیب، البانی 124، صحیح مسلم 2989۔

اپنے آپ کو بھول جاتے تھے“ (100)

یہ نہیں کہا جا رہا کہ جو اللہ کے دین کی دعوت دے گا وہ خود فرشتہ ہو گا، نہیں! یہ بھی ایک غلط فہمی ہے۔ اگر آپ کسی کو کہیں کہ اللہ کے دین کی دعوت کے لئے نکلو، تو وہ جواب دے گا کہ صاحب میں کیا نکلوں، مجھ میں تو بڑی خرابیاں ہیں، میں گناہ گار انسان، میرے اندر یہ کمزوری، یہ کمزوری...... میں کیسے اللہ کے دین کی دعوت دے سکتا ہوں۔ یہ بھی شیطان کا وسوسہ ہے۔ اوپر جو دو حدیثیں گزری ہیں ان میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جس چیز کی آپ دعوت دے رہے ہوں، اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں۔ یہ آپ سے متوقع نہیں کہ آپ ہمیشہ نیکی ہی کے کام کریں گے۔ آپ سے کبھی غلطی سرزد ہی نہیں ہوگی۔ آپ بشر ہیں، آپ سے غلطی کیوں سرزد نہیں ہوگی؟

مولانا اشرف علی تھانویؒ (101) کا واقعہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

”جب میں اپنے اندر کوئی خامی یا خرابی محسوس کرتا ہوں تو منبر پر کھڑے ہو کر اس کے خلاف وعظ کہنا شروع کر دیتا ہوں۔ جب میں وعظ کہتا ہوں تو میرا نفس مجھ سے کہتا ہے ”اے شخص تو دوسروں کو سمجھا رہا ہے، خود اپنے آپ کو بھی سنبھال“ تو میری اصلاح بہت جلدی ہو جاتی ہے“

یہ آپ سے توقع نہیں کی جا رہی کہ آپ فرشتہ ہو کر اللہ کے دین کی دعوت دیں۔ جو توقع آپ سے کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کی آپ دعوت دے رہے ہوں، اس پر

---

(100) تخریج مشکوۃ المصابیح 4/489، بروایت حضرت انس بن مالکؓ، حدیث حسن، نیز دیکھئے: شرح السنہ، از امام بغوی 7/362، ترغیب وترہیب، از امام منذری 3/236، مجمع الزوائد، از علامہ ہیثمی 7/279، السلسلہ الصحیحہ، علامہ البانی 291 نیز انہوں نے کہا کہ یہ حدیث تمام طرق سے صحیح ہے۔

(101) حکیم امت الحافظ القاری مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ، آپؒ کی ولادت 5 ربیع الثانی 1280ھ اور وفات 16، 17 رجب 1362ھ کی درمیانی شب میں ہوئی۔ مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد 8 سو کے قریب ہے جن میں ”بہشتی زیور“ سب سے معروف ہے۔

آپ خود بھی یقین رکھتے ہوں اور حتی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ جس کو آپ دعوت دیں گے تو وہ اس پر عمل کرنے سے پہلے آپ کو ٹٹولے گا کہ آپ کا اپنا کیا عمل ہے؟ وہ آپ کو کھنگالنے کی کوشش کرے گا، آپ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر اسے آپ کے عمل میں کوئی کھوٹ نظر آئے گا تو آپ کی دعوت کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا کہ اس میں تو خلوص نیت ہی نہیں ۔ یہ ہم کو تو کہتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا۔ چنانچہ ایک شرط تو قرآن مجید نے یہ لگائی کہ:

وَعَمِلَ صَالِحاً

''اور نیک عمل کیا''

دوسری شرط یہ لگائی کہ

وَقَالَ إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

''اور کہا کہ میں مسلمان ہوں''

پہلی شرط تو سمجھ میں آرہی ہے مگر دوسری شرط میں کیا اہم بات ہے کہ اس نے کہا کہ ہاں میں مسلمان ہوں۔ مسلمان ہے تبھی تو دعوت دے رہا ہے۔ اس میں ایسی کون سی بات ہے؟ اس کی اہمیت کا اگر اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو قرآن مجید کا مطالعہ کیجئے! ایسا لگتا ہے کہ جتنے بھی انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ یہی کہتے ہوئے آئے کہ:

إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہوا کہ آپؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ:

فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِیَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ

''تم نے میری نصیحت سے منہ موڑا (تو میرا نقصان کیا) میں تم سے کسی اجر کا طلبگار نہ تھا، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے''

اور آگے فرمایا:

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خود مسلم بن کر رہوں'' (102)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاتھ اٹھا رہے ہیں تو کیا دعا مانگ رہے ہیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ

''اے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو'' (103)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا دیکھئے، کیا مانگ رہے ہیں:

فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ، أَنتَ وَلِيِّیْ فِیْ الدُّنُيَا وَالآخِرَةِ ، تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَأَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِيْنَ

''زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا'' (104)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہلوائی گئی:

قُلْ إِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، لاَ شَرِيْکَ لَهُ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

''کہو، میری نماز، میری تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا (مسلم) میں ہوں'' (105)

اگر میں تمہیں اسلام کی دعوت دے رہا ہوں تو ایسا نہیں کہ میں نے اسے قبول نہ کیا ہو،

---

(102) یونس 72

(103) البقرہ 128

(104) یوسف 101

(105) الانعام 162، 163

نہیں! بلکہ میں سب سے پہلے قبول کرنے والا ہوں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

''(اے محمد ﷺ، ان سے کہو) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے حرم بنایا ہے اور جو ہر چیز کا مالک ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں'' (106)

تواضع وانکساری:

ہر نبی اور ہر رسول یہی دعا مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی چیز کی تمنا کرتے ہیں اور اسی چیز کا برملا اعلان کرتے ہیں کہ مجھے حکم یہ ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوجاؤں۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟ اس کے بھی دو پہلو سامنے آتے ہیں۔ایک پہلو تواضع وانکساری کا ہے کہ داعیِ حق اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو! میں کوئی اعلیٰ وارفع چیز نہیں، میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔اس کا آپ کو تجربہ تبھی ہوسکتا ہے جب آپ اللہ کے دین کی دعوت کا کام کریں اور لوگ آپ کی بات پر کان دھرنا شروع کردیں۔اس وقت شیطان آپ کو گھیرنے کی کوششیں کرتا ہے۔اس کی ایک کاوش یہ ہوتی ہے کہ وہ آپ کے دل میں بار بار یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم اب کوئی بڑی چیز ہوگئے ہو۔تم ان لوگوں سے جن کو تم دعوت دے رہے ہو اعلیٰ وارفع ہو، تم ان سے زیادہ علم رکھتے ہو۔یہ وسوسہ انسان کو تکبر کی طرف لے جاسکتا ہے۔اس کی نفی کرنے کے لئے تواضع کا وہ انداز اختیار کیا گیا کہ:

إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

---

(106) النمل 91

بار بار یہ کہا جائے کہ اے لوگو! میں تم ہی میں سے ہوں۔ میں اللہ کا فرمان اور مطیع ہوں، میں اللہ کا بندہ اور غلام ہوں۔ نبی کریم ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھاتے اور فرماتے کہ ''میں ایک غلام ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا ہوں'' (107)

حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''لوگو! میں بچپن میں اپنی خالاؤں کے اونٹ چرایا کرتا تھا جس کے بدلے میں وہ مجھے مٹھی بھر کھجور یا کشمش دیا کرتی تھیں''

لوگوں نے کہا ''امیر المومنین آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی''

فرمایا ''عمر کو شیطان نے بہکانے کی کوشش کی، اس نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اے عمر آج تو تم امیر المومنین ہو، یہ پوری دنیا تمہارے اشارے پر چلتی ہے۔ یہ سب تمہاری بات سننے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں لہذا میں نے اپنے نفس کو اس کی قدر یاد دلائی ہے'' (108)

وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے دین کی دعوت کیلئے اپنی پوری زندگیاں بسر کر دی ہیں ان کے سوانح کا مطالعہ کیجئے تو اس میں سب سے نمایاں پہلو یہ نظر آتا ہے کہ وہ تواضع اور انکساری کا مجسم نمونہ ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے بچھے چلے جا رہے ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ ان کو انعامات و اکرامات سے نوازتا ہے اور ان کی عزت بڑھ رہی ہے اسی انداز میں وہ جھکے چلے جا رہے ہیں۔ جیسے پھل پکتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے وہ شاخ جھکتی چلی جاتی ہے۔ حقیقت میں یہی نقشہ ان کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

---

(107) حدیث کا متن یوں ہے:

''آکل کما یاکل العبد واجلس کما یجلس العبد''

''میں بندہ ہوں، بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں'' دیکھئے: السلسلہ الصحیحہ، از علامہ البانی 544، بروایت حضرت عائشہؓ محدث نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ ابوبکر الجزائری نے اپنی کتاب ''منہاج المسلم'' میں ایک حدیث بخاری سے نقل کی ہے کہ ''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں'' مزید دیکھئے: الصحیح الجامع، علامہ البانی 7، مجمع الزوائد، از علامہ ہیثمی 9/22۔

(108) طبقات، از علامہ ابن سعدؒ اور الریاض النضرہ، از امام طبریؒ

إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ انسان کے اندر دعوت الی اللہ کا کام کرتے وقت تواضع اور انکساری پیدا ہو۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ کام تنہا نہیں ہوسکتا۔ یہ کام مسلمین کا ایک گروہ ہی کرسکتا ہے۔قرآن مجید اسی طرف اشارہ کررہا ہے۔ یہ موضوع خاصا طویل ہے کہ ہمارے دین میں جماعت کی کیا اہمیت ہے؟ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ دین کا کام بغیر جماعت اور بغیر نظم کے نہیں ہوسکتا۔حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے:

لَا اِسْلاَمَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃ

''جماعت کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں'' (109)

وہ لوگ جو اللہ کے دین کی دعوت کا کام کرنا چاہتے ہیں جب تک ایک گروہ نہ بنالیں تب تک یہ کام نہیں ہوسکتا۔اس کی طرف یہ اشارہ ہے کہ کہو:

إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

میں تو مسلمانوں میں سے ہوں یعنی میں نے اس گروہ کے اندر شمولیت اختیار کرلی ہے جو اللہ کے دین کی دعوت دے رہا ہے۔

نیکی کو بدی سے دفع کرنا:

آگے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ

''(اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں''

جب آپ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیں گے تو نیکی اور بدی ہی کی بات ہوگی۔ ایک وہ گروہ ہوگا جو نیکی پر کاربند ہوگا اور اس کی دعوت دے گا تو دوسرا گروہ ایسا بھی ہوگا جو

(109) جامع بیان العلم

یہ کام نہیں کر رہا ہوگا تو فرمایا یہ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

''تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو''

یہ جو برائی ہے، اس کو تم دفع کرو بھلائی سے، برائی کا جواب بھلائی سے دو۔

اگر ایسا کرو گے تو:

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

''تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے''

اصل میں اس آیت میں اور اگلی دو آیتوں میں قرآن نے دعوت دین کی چند حکمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دعوت دین کا موضوع بڑا طویل ہے۔ اس میں حکمت کے کئی پہلو آتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دعوت، دین کا وہ عمل ہے کہ جب تک آپ اس پر عمل نہ کریں، اس میں آپ چھلانگ نہ لگائیں اور خود اس پر کام کرنا شروع نہ کریں، آپ کو اس کا تجربہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کے متعلق آپ کو کتنے ہی وعظ سنا دیئے جائیں، آپ کے سامنے کتنی ہی تقریریں کر دی جائیں، کتنے ہی ماڈل پیش کر دیئے جائیں، اس کا تجربہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آپ اللہ کے دین کی دعوت کا کام لے کر اٹھ کھڑے نہ ہو جائیں۔ اسلام کی صحیح روح کو سمجھنے، قرآن مجید کے معانی کو جاننے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کو حقیقت میں سمجھنے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ آپ اللہ کے دین کی دعوت دیں۔

یہی بات مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن کے مقدمہ میں لکھی ہے اور اسے ''سلوک قرآنی'' کا نام دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اس طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزول قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔ مکہ اور حبش اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے اور بدر واحد سے لے کر حنین اور تبوک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابوجہل اور ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا، منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے اور سابقین اولین سے لے کر مؤلفۃ القلوب تک سبھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔ یہ اور ہی قسم کا سلوک ہے جس کو میں ”سلوک قرآنی“ کہتا ہوں۔ اس سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس منزل سے آپ گزرتے جائیں گے، قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آکر آپ کو بتاتی جائیں گی کہ وہ اسی منزل میں اتری تھیں اور یہ ہدایت لے کر آئی تھیں“ (110)

اس وقت آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارا دین کتابی نہیں، یہ تو حقیقتاً عملی زندگی کے لئے آیا ہے۔ دعوتِ دین کرنے کا کام ہے، یہ کام کیسے کیا جائے؟ قرآن مجید نے اس کی طرف جگہ جگہ اشارے کئے ہیں کہ اس کام کو کیسے کیا جائے؟ ہم یہاں چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

سورہ نحل میں ارشاد ربانی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

”(اے نبی ﷺ) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو“ (111)

یعنی اگر کسی سے بات کرو تو خوبصورت بات کرو اور اگر کبھی ان سے جھگڑنے کی نوبت

....

(110) مقدمہ تفہیم القرآن، از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 1/34

(111) النحل 125

آ جائے تو احسن طریقے سے سمجھاؤ۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اے لوگو! جب تم اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے نکل کھڑے ہو تو پھر تمہارا انداز یہ ہونا چاہئے، تمہارے اندر اس درجے کا صبر ہونا چاہئے، تمہارے اندر اس درجے کا عزم ہونا چاہئے کہ اگر کوئی تم سے دشمنی بھی کرے، کوئی تمہارے خلاف چالبازیاں بھی کرے، کوئی تمہارے ساتھ زیادتی بھی کرے، کوئی تمہارے ساتھ برائی بھی کرے تو تم اس کا جواب بھلائی سے دو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے دشمن خود بخود زیر ہوتے چلے جائیں گے۔

کہنے کو تو یہ بڑی آسان بات ہے اور نظر بھی آتی ہے لیکن اس کے لئے کتنا بڑا جگر چاہئے۔ قرآن یہی جگر داعی الی اللہ سے چاہ رہا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ جب تم اللہ کے دین کی دعوت دینے کیلئے نکلو تو تمہیں یہ عمل اختیار کرنا پڑیگا، اگر یہ کرو گے تو تمہارے دشمن بھی تمہارے دوست بنتے چلے جائیں گے۔

آگے فرمایا:

وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ

''یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں''

میں اس ضمن میں آپ کے سامنے دو واقعات رکھتا ہوں۔

ایک واقعہ امام ابو حنیفہؒ (112) کا ہے۔ مساور وراق نامی شاعر نے امام اعظمؒ کی ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ جب امام صاحبؒ کو خبر ہوئی تو اس سے ملے اور فرمایا:

''آپ نے ہماری ہجو کی، ہم آپ کو خوش رکھنا چاہتے ہیں''

اس ہجو پر امام صاحبؒ نے اس شاعر کے لئے کچھ دراہم بھیجے۔ امام صاحبؒ کے اس

---

(112) امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابتؒ، آپ کو امام اعظم کا خطاب ملا۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے تاہم احوط ترین رائے یہ ہے کہ آپ 80ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ فقہ حنفی آپ کی طرف منسوب ہے۔ آپؓ تابعی تھے۔ آپ کی وفات 150ھ میں ہوئی۔ (دیکھئے: طبقات، از علامہ ابن سعدؒ 6/368)

حسن خلق سے متاثر ہو کر اس نے آپؒ کی مدح سرائی میں کچھ اشعار کہے۔(113)

دوسرا واقعہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ بڑے مشہور واعظ بھی تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان میں بڑی تاثیر عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ لوگ مولانا کو خصوصاً اس مقصد کیلئے بھی بلایا کرتے تھے۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر کسی نے مولانا کو دعوت دی تو مولانا تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ان کے ہزاروں معتقدین تھے وہاں کچھ مخالفین بھی تھے تو مولانا جیسے ہی وعظ دینے کے لئے بیٹھے تو ان کے کسی مخالف نے ان کو ایک پرچی لکھ کر بھیج دی۔

مولانا نے پرچی کھولی تو اس پہ لکھا ہوا تھا کہ ''تم جاہل ہو، تم جولا ہے ہو، تم کافر ہو اور ہم تمہاری پگڑی اچھال دیں گے''

یہ واقعہ آپؒ کی سوانح میں ملتا ہے۔ مولانا نے وہ پرچی پڑھی اور لوگوں سے مخاطب ہوئے:

''آپ سے کچھ گفتگو کرنے آیا تھا لیکن میرے پاس ابھی ایک پرچی آئی ہے اور میرا خیال ہے کہ پہلے میں اس پرچی کا جواب دوں، اس کے بعد آگے بات کریں گے''

پھر آپؒ نے وہ پرچی پڑھ کر سنادی اور فرمایا:

''میں اس بھائی کو جواب دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم جاہل ہو تو بھائی میں نے تو کبھی عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ آپ کی بات بالکل سچ ہے، میں واقعتاً جاہل ہوں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ تم جولا ہے ہو(114)۔ بھائی، میرے آباء و اجداد نے کبھی یہ پیشہ اختیار نہیں کیا۔ میں فلاں فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ آپ جا کر تحقیق کر لیجئے۔ گو کہ اس پیشے کے اختیار کرنے میں کوئی بری بات نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ میرے آباؤ

---

(113) علامہ خطیب بغدادیؒ نے سلیمان ابن ابوشیخ سے روایت کیا ہے (بحوالہ ''تذکرۃ النعمان'' از علامہ محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعی، ترجمہ مولانا عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنی، صفحہ 373۔

(114) جولاہا: کپڑا بننے والا۔

اجداد نے کبھی جولاہے کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ تم کافر ہو۔ بھائی اگر آپ کو اس بات کا کوئی شبہ ہے کہ میں کافر ہوں تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، آپ کے سامنے کلمہ پڑھ لیتا ہوں تاکہ آپ کا شبہ دور ہو جائے اور انہوں نے لکھا ہے کہ میں تمہاری پگڑی اچھال دوں گا تو بھائی آپ ہی لوگوں نے مجھے یہاں بلایا تھا۔ اگر آپ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں کہ میں آپ لوگوں سے گفتگو کروں تو میں اپنی بات نہیں کرتا''

آپ نے دیکھا کہ کس صبر و تحمل اور پیار و محبت کے ساتھ آپؒ نے اس کا جواب دیا۔ نہ کوئی غصہ ہے اور نہ کوئی اشتعال۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینے سے دشمن خود بخود رام ہوتا چلا جائے گا۔

بحیثیت داعی الی اللہ کے یہ وہ انداز ہے جس کی آپ سے توقع کی جا رہی ہے۔

شیطان کے حربوں سے اللہ کی پناہ:

آخری آیت میں فرمایا:

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطَانِ نَزۡغٌ

''اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو''

فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ

''تو اللہ کی پناہ مانگ لو''

شیطان کی اکساہٹ کا ایک ہی علاج ہے، اللہ کی پناہ میں آ جانا۔

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

''وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے''

جب بھی آپ کوئی نیکی کا کام کرنے جاتے ہیں تو شیطان آپ کے پیچھے لگ جاتا ہے، وہ آپ کو بہکانے کے چکر میں رہتا ہے، اس نے اسی کام تو عہد کیا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا عہد یوں بیان ہوا ہے کہ:

قَالَ فَبِمَآ أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ، ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ ، وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ

''(شیطان نے کہا) جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا'' (115)

یہ شیطان کا اللہ سے عہد ہے۔ایک اور مقام پر اس نے اللہ کی قسم کھا کر یہی بات کہی ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ، إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ

''تیری عزت کی قسم، میں ان سب لوگوں کو بہکا کر رہوں گا بجز تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خالص کر لیا ہے'' (116)

یہ اس نے اللہ سے عہد کیا ہوا ہے۔یہی اس کی زندگی کا مشن ہے چنانچہ اس کا انداز یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کے دین کا کام کرتا ہے تو وہ اس کو بہکاتا ہے اور چونکہ دعوت الی اللہ چوٹی کا کام ہے اس لئے داعی الی اللہ کے پیچھے شیطان مستقل لگا رہتا ہے۔جب داعی الی اللہ اس کے سارے حربوں کو زیر کرتا چلا جاتا ہے تو اس کا آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس داعی الی اللہ کے کان میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم تو داعی ہو، تم تو عابد ہو، تم تو عالم ہو، تم تو متقی ہو، تم تو زاہد ہو، تم کوئی بڑی چیز ہو گئے ہو کیونکہ لوگ تمہاری بات سن رہے ہیں۔تمہاری بات سن کر فلاں فلاں میں یہ یہ تبدیلی آ گئی ہے۔

آپ کو اس بات کا شاید اندازہ نہیں کہ یہ کتنا مشکل مقام ہے کہ انسان اپنے آپ کو سنبھالے۔سوائے اس کے کہ آپ جا کر اللہ کے حضور سجدے میں گر جائیں کہ اے اللہ مجھے معاف کر دے، اپنے دل کی حالت میں جانتا ہوں یا پھر تو جانتا ہے، یہ بھائی نہیں جانتے جو مجھ پر حسن ظن رکھتے ہیں۔اے اللہ تو ہی مجھے شیطان کی گزند

---

(115) الاعراف 16،17

(116) ص 82،83

سے بچا سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ قرآن مجید اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ شیطان کی اکساہٹ تم کو بار بار ہوگی اور جب یہ اکساہٹ ہو تو اللہ کی پناہ میں آ جاؤ اور کہا کرو کہ:

وَقُلْ رَّبِّ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْن ، وَأَعُوذُ بِکَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنِ

''(اور دعا کرو کہ) پروردگار میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں بلکہ اے میرے رب، میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں'' (117)

یہی وہ دعا ہے جس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا علاج صرف یہی ہے کہ انسان اللہ کے آگے جھک جائے، اللہ کے آگے گڑگڑائے اور کہے اے اللہ میں اپنے آپ کو جانتا ہوں، تو مجھے شیطان کے اس وسوسے سے بچالے تو شاید اس کا نیک عمل محفوظ رہے اور اللہ کے ہاں وہ قبولیت کا درجہ اختیار کرلے چنانچہ اس خصوصی بات کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا کہ جب ایسا ہو تو اللہ سے پناہ مانگ لو، اللہ وہ ہستی ہے جو تمہاری بات سن بھی رہا ہے اور جان بھی رہا ہے۔

قارئین کرام!

گزشتہ اوراق میں سورہ حم سجدہ کی آیات 30 تا 36 کے حوالے سے تفصیل پیش کی گئی ہے، رب ذوالجلال سے دعا ہے ان باتوں پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز ان میں جو بات حق ہو اسے ہمارے دلوں میں نقش کردے اور جو بات غلط ہے اسے ہمارے ذہنوں سے محو کردے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید سمجھنے اور عمل کرنے والا بنائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

---

(117) المومنون 97، 98

حاصل مطالعہ

گزشتہ صفحات میں ہم نے سورہ حم سجدہ کی آیات 30 تا 36 کا مطالعہ کیا، جو باتیں ہمارے سامنے آئیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

1) ''حوامیم'' 7 سورتیں ہیں، سورہ المؤمن، حم سجدہ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ اور الاحقاف، ان سورتوں کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

2) جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں ''نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہوجاؤ جنت کی اس بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا'' یہ جنت ان لوگوں کیلئے شروع کی ضیافت ہوگی۔

3) ربنا اللہ کا مطلب کیا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں؟ اس سلسلے میں قرآن مجید سے چند واقعات کا ہم نے مطالعہ کیا۔

4) آپ ﷺ کی مبارک احادیث سے معلوم ہوا کہ استقامت کیا ہے نیز اس کی تفصیل میں خلفائے اربعہ کے اقوال نقل کیے گئے۔

5) استقامت کی مثالوں میں ہم نے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے واقعات کا مطالعہ کیا نیز دور جدید سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور سید قطب شہیدؒ کے واقعات بھی بیان ہوئے۔

6) قرآن مجید نے چوٹی کی بات کرتے ہوئے ''دعوت الی اللہ'' کو بہترین بات قرار دیا ہے، اس ضمن میں تین باتوں کا علم ہوا، اللہ کے دین کی دعوت، نیک عمل اور اس بات کا

اقرار کہ میں مسلم ہوں۔

7) دعوت الی اللہ دینے والا سب سے پہلے خود اس بات پر عمل کرتا ہے جس کی وہ دوسروں کی دعوت دیتا ہے۔

8) قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام نے اعلان کیا تھا کہ ''میں مسلم ہوں'' اس کے دو پہلو سامنے آئے، ایک تو اضع وانکساری اور دوسرا یہ کہ یہ کام مسلمین کا گروہ ہی کرسکتا ہے۔

9) دعوت الی اللہ دینے والے کو عفو ودرگزر کا مجسم نمونہ بننا چاہئے۔ لوگوں کے قصور معاف کرنا اور ان سے حسن سلوک کرنے سے دشمنی، دوستی میں بدل سکتی ہے۔

10) جو لوگ خیر کی طرف بلاتے ہیں، شیطان ان کو اکسانے کی کوشش کرتا ہے، اس کی اکساہٹ سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ سے رجوع کرنا اور اس کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔

قد آور مُربَی

ڈاکٹر فرحت برنیؒ

دنیا میں کچھ سعید روحیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی خدمت کیلئے چن لیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے زندگی بھر کا سودا کر لیتے ہیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا کیا ہوا عہد سچا کر دکھاتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی پاکی بیان نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں کون زیادہ متقی ہے تاہم یہ ہمارا گمان ہے۔

ڈاکٹر صاحب مملکت اور خلیج کے مختلف شہروں کے علاوہ پاکستان، امریکہ، کینیڈا، امارات اور دیگر ممالک میں دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپؒ کے دروس سے ہزاروں افراد مستفید ہوئے۔ بہترین مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہترین مربی بھی تھے۔ ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ ان نادر الوجود افراد میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے فن کو کیسٹوں کی صورت میں محفوظ رکھا بلکہ تقریر کے فن کو دوسرے افراد تک منتقل کرنے کے لئے ان کی تربیت کا اہتمام بھی کیا۔

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ 1942ء میں ہندوستان کے بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے انڈسٹریل انجینیئرنگ میں پی ایچ ڈی کی اور 1976ء میں جدہ آگئے، آپؒ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں پروفیسر رہے اور 2003ء میں ریٹائر ہو کر مستقل طور پر امریکہ کے شہر لوزیانا چلے گئے جہاں ایک عرصے تک قیام کرنے کے بعد اسلام آباد میں اپنے بیٹی کے ہاں منتقل ہو گئے۔ آپؒ کو اعصابی بیماری لاحق ہو گئی تھی جس کے باعث آپؒ چلنے پھرنے اور بولنے سے معذور ہو گئے تھے۔

آپؒ کا انتقال اسلام آباد میں جمعرات 20 اگست 2009ء کو ہوا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ آپؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔